

## تاریخی ہڑتال

معاہدہ دہلی ۱۹۷۲ء تیسرا معاہدہ ہے۔ جو گزشتہ تیس برس میں ہندوستان اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان طے ہو کر وجود میں آیا ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کا الحاق نامہ ہوا اور ۱۹۵۲ء میں نہرو عبداللہ معاہدہ معرض وجود میں آگیا۔ اگر ان معاہدات کے ساتھ ۱۸۳۶ء کا یمنامہ امرت سر بھی شمار کر لیا جائے تو پھر موجودہ معاہدہ ہماری شوم قسمتی کا چوتھا معاہدہ بن جاتا ہے۔

بہر کیف معاہدات جتنے بھی ہوتے ہیں برابری کی بنیاد پر نہیں ہوئے بلکہ ایک کی سینہ زوری اور دوسرے کی پامالی اور کم نظری کے غماز ہیں۔ دہلی سمجھوتے کی دفعات نے ۹ اگست ۱۹۴۷ء کے شہیدوں کی ارواح کو بھی بے حد اذیت پہنچائی جنہوں نے تسلیم و رضا کا پیغام دے کر حق خود ارادیت کے حصول کی تحریک میں ایک نئی جان ڈالی تھی۔

معاہدہ دہلی کے متن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرکز کے ساتھ کئی برس کے مذاکرات کے بعد بھی محاذ کی قیادت داخلی خود مختاری حاصل نہ کر سکی۔ جس کا تاثر اس نے دیا تھا۔ محاذ نے داخلی خود مختاری کو حق خود ارادیت کا نعم البدل ٹھہرایا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے اب جو لوگ کشمیر کی گدی پر بٹھائے جا رہے تھے، ان کی پوزیشن کو استعمال کر کے بھارت کا منشاء یہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر حق خود ارادیت کی تحریک کو سیو تاج کر دیا جائے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ اہل کشمیر کسی خاص شخصیت کی طرف سے اقتدار سنبھالنے کے واقعہ کو اتنی زبردست اہمیت نہ دیتے۔

اس لئے معاہدہ دہلی کے خلاف کشمیر کے گوشے گوشے میں ناراضگی اور بیزاری کی لہر پھیل گئی اور حق خود ارادیت کی حامی جماعتوں نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پاکستان نے بھی محسوس کر لیا کہ معاہدہ دہلی کی شکل میں بھارت کے پاس جو ہتھیار آیا ہے وہ اس کے ذریعے کشمیر کے بارے میں عالمی موقف کو بے اثر بنانے کی کوشش کر سکتا ہے چنانچہ پارلیمنٹ میں وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی طرف سے معاہدے کا اعلان ہو جانے کے فوراً بعد وزیراعظم پاکستان نے دنیا بھر میں رہنے والے کشمیری عوام اور پاکستانی عوام سے اپیل کی کہ وہ ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء کو

معاہدہ دہلی کے خلاف ایک پرامن ہڑتال کریں گے۔ ۲۱ فروری سوموار کو لاڑکانہ سے ایک بیان میں جناب بھٹو وزیراعظم پاکستان نے کہا

”ہم دنیا کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی معاہدہ کشمیری عوام سے ان کا حق خود ارادیت چھین نہیں سکتا۔ یہ معاہدہ اہل کشمیر کو اپنے پیدائشی حق ”خود ارادیت سے محروم نہیں کر سکتا۔ کشمیر کی موجودہ متنازعہ حیثیت ہندوستان اور پاکستان نے اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں کے مطابق تسلیم کر لی ہے۔“

اعلان کے فوراً بعد کشمیر کے گوشے گوشے میں مجوزہ جمعہ ہڑتال کو کامیاب بنانے کے لئے زور دار خاموش و خفیہ تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس ہڑتال کے حق میں کشمیر کے بوڑھوں اور نوجوانوں نے یکساں طور پر آپ اپنی خوشی سے اور اپنے اعتماد کے سارے پر کسی قسم کے مادی فائدے کی لالچ کے بغیر ہی ایک خاموش مہم چلائی اس طرح ہر فرد نے اس سوال کو اپنا ذاتی سوال جان کر اس کے حق میں اپنا اپنا پارٹ ادا کر دیا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر  
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس موقع پر جموں و کشمیر پیپلز لیگ نے بے خوف و خطر میدان میں کود کر یوم ہڑتال کی کامیابی کے لئے کشمیر کو مختلف زونوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ادھر جموں میں وزیراعلیٰ کا عمدہ سنبھالنے کے بعد شیخ عبداللہ پہلی بار ۲ فروری ۱۹۷۵ء کو وارد سری نگر ہونے والے تھے۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ کشمیر میں ہڑتال کو کامیاب بنانے کے لئے جوش و جنوں کی ایک زبردست لہر چل رہی ہے۔ سینہ بہ سینہ پروپیگنڈا دوروں پر ہے اور نفس نفس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں جنہیں بجھانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ تو انہوں نے نزاکت و وقت کو محسوس کر کے ۲ مارچ تک اپنا پروگرام ملتوی کر دیا۔ ۲۷ فروری کو سارے کشمیر میں ایک عجیب و غریب دھماکہ خیز صورتحال تھی۔ طلبہ اور نوجوان گرفتار کئے جا رہے تھے۔ وارنٹیں ایٹو ہو رہی تھیں اور خفیہ پولیس کے کارندے وادی میں مشتبہ نوجوانوں کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ اور محکمہ سراغ رساں کی تمام ایجنسیاں جگہ جگہ حرکت میں آگئی تھیں۔ حکومت اور عوام دونوں کو ۲۸ فروری کی صبح کا بے تابانہ انتظار تھا کہ آخر اس صبح سے کس قسم کے کشمیر کے طلوع کا اشارہ ملے گا۔ بے قراری کے اس عالم میں ۲۷ فروری کا دن ڈوب

گیا۔ شام ہو گئی اور سات بجے کے قریب پرانے امیر اکدل کے مشرق میں کپور اینڈ کوکے سامنے راہ گیروں، سائیکل سواروں، سکوتر اور کاریں چلانے والوں کی چل پھل اور بھیڑ بھاڑ میں ایک دستی بم کا دھماکہ ہوا، جس سے کئی آدمی اور پولیس والے زخمی ہو گئے۔ اور شہر سنسنی میں ڈوب گیا۔ امیر اکدل کے تمام بازار وقت سے پہلے ہی آنا "فانا" بند ہو گئے۔ سناٹا چھا گیا اور لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں میں داخل ہو کر ریڈیو خبروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ رات کے پونے دو بجے دھماکہ کی غیر معمولی خبر بی بی سی لندن نے برصغیر کے عوام کو سنائی۔ بم کا دھماکہ کرنے کے الزام میں پولیس نے کئی نوجوانوں کو حراست میں لے لیا۔ اور غنیمت جان کر پولیس نے پیپلز لیگ کے کارکنوں کو بھی اس گھمے میں ملوث کر دیا۔ یہ رات پولیس اور عوام دونوں کے لئے بے قراری کی رات تھی۔ دوسرے روز جب ۲۸ فروری کی صبح طلوع ہوئی۔ چائے نوشی کے فوراً بعد عوام ہجوم در ہجوم دفعہ ۱۳۴ کے ضابطوں کو توڑتے ہوئے شہر اور قصبوں کے اہم چوکوں کی طرف بڑھے، لیکن بازار بند تھے، اور وادی بھر میں ٹرانسپورٹ شپ تھا۔ سڑنگر اور اہم قصبوں کے علاوہ ۲۸ فروری کی تاریخی ہڑتال کے اثرات وادی کے دور دراز دیہات کے معمولی معمولی گوشوں سے بھی عیاں تھے۔ اس ہڑتال کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ اسے کشمیر کی پرانی لیڈر شپ کی کوئی بھی مدد اور رہنمائی حاصل نہ تھی۔ بعض مقامات پر پولیس کے سپاہیوں اور محاذ رائے شماری کے کارکنوں نے جبراً دکانوں کو کھلوانے کی کوشش کی اور بسوں کو چالو کروانے کے لئے مالکوں اور ڈرائیوروں کے خلاف طاقت استعمال کی۔ لیکن یہ تمام حربے ناکامی پر ختم ہو کر ایک مذاق بن گئے۔ سری نگر، سوپور اور بارہ مولہ میں جہاں کہیں انتظامیہ کی غیر مدبرانہ کارروائیوں سے ہجوم باقاعدہ جلوس میں تبدیل ہو گئے، وہاں پاکستان کے حق میں نعرے بھی بلند ہو گئے۔ محاذ رائے شماری کے سرکردہ لیڈروں اور پارٹی عمدہ داروں کی قیادت میں کئی جتھے دکان داروں، بس مالکوں اور ڈرائیوروں کے خلاف طاقت استعمال کرتے ہوئے لال چوک بھی آئے۔ لیکن مجاہد منزل کے سب ہی جتھے اور "نیشل گارڈ" اپنے مقاصد میں ناکام ہو گئے اور تاریخ نے ایک ایسا زور دار الارم بجایا، جو ہمیشہ کے لئے ٹیپ ہو گیا غرض ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء کی ہڑتال کشمیری عوام کا ایک ایسا فیصلہ ہے جس کو کبھی چیلنج نہ کیا جاسکے گا۔

شام کو لوگوں نے سری نگر ریڈیو کی خبریں سنیں اور سری نگر ٹیلی ویژن دیکھا،

لیکن ان دونوں نشر گاہوں سے سفید جھوٹ کے پلندے کے بغیر اور کچھ نشر نہ ہوا۔ اس طرح ان نشر گاہوں نے کذب گوئی کی قدیم روایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ کھمن حق کے تمام گزشتہ ریکارڈ مات کر ڈالے۔ یہ حال دیکھ کر کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ بھی شرمسار ہو گئے۔ ۲ مارچ کو وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے لال چوک کے جلسہ عام میں سری نگر ریڈیو اور ٹی وی کی کذب گوئی پر تنقید کی۔ لیکن وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی وزارت خرافات "کو کوئی شرمندگی نہ ہوئی۔ ۲۸ فروری کو ریاستی حکام نے خبروں پر زبردست سنسر بٹھا دیا تھا۔ لیکن کشمیریوں کو ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ بی بی سی لندن کشمیر ہڑتال کی صداقت کے خلاف خبریں نشر کرے گا کشمیریوں کو اس وقت زبردست مایوسی ہوئی جب انہوں نے رات کو بی بی سی لندن سے ہڑتال کے بارے میں غلط رپورٹنگ سنی اس طرح کشمیر میں بی بی سی کے نمائندے کے خلاف ناراضگی پھیل گئی۔

میں نے یوم ہڑتال کی حقیقی تصویر کشی کر کے بی بی سی لندن کو ایک مقالہ روانہ کیا لیکن اس کا حشر معلوم نہیں، البتہ اس کی نقل نئی دہلی کے ہفتہ وار "نئی دنیا" میں چھپ گئی۔ ہڑتال کے روز پولیس نے کشمیر میں سینکڑوں لوگوں کو گرفتار کر کے تھانوں میں بند کر دیا

نیویارک میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے مسٹر اقبال اخوند نے معاہدہ دہلی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس کو شملہ معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا اور خبردار کیا کہ اس سے ہندوستان و پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے پبلنگ سے روزنامہ پیپلز ڈیلی نے اس سمجھوتے کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے منافی قرار دے کر پھر سے حق خود ارادیت کی حمایت کا اعلان کیا۔

## شیخ عبداللہ کی سواری

شیخ عبداللہ ۲ مارچ کو پہلی بار وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے سرینگر پہنچ گئے۔ لال چوک میں نئے وزیر اعلیٰ کا زبردست استقبال کیا گیا۔ گذشتہ ۲۲ برس میں یہ شیخ کا پہلا استقبال تھا۔ جس کے مناظر بڑے ہی ڈراؤنے اور وہشت ناک تھے۔ اس روز جس بھی راہ گیر پر پولیس یا خفیہ پولیس کے کارندوں کو شبہ ہو جاتا، اسے کسی وارنٹ کے بغیر اٹھا کر تھانے میں بند کیا جاتا تھا۔ اس طرح سرینگر کے تھانے گناہ گاروں اور بے گناہ لوگوں سے کچھ کچھ بھر گئے تھے۔ ان میں سے بعض رات کے اندھیرے میں چھوڑ دیئے گئے اور بہت سارے سنٹرل جیل بھیج دیئے گئے۔ لال چوک کی طرف جانے والی تمام چھوٹی بڑی گذرگاہوں پر پولیس اور خفیہ پولیس کا کڑا پیرہ تھا۔ اور اس تاریخی چوک کی طرف دیکھنے والے تمام ہوٹلوں اور ریستورانوں میں سارے کشمیر کی خفیہ پولیس کے کارندے ”چھلیوں“ کی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لال چوک میں سارے کشمیر کی خفیہ پولیس کی علاقہ دار موجودگی کا یہ عالم تھا کہ وہ ریاست کے کسی بھی کونے سے آئے ہوئے آدمی کو پہچان سکتی تھی۔ اور مشتبہ آدمی پر چیل کی طرح چوزے پر جھپٹ کر پنچوں میں پھنسا کر اڑا لیتی تھی۔ چیل کسی اونچے درخت پر بیٹھ کر مظلوم چوزے کی جان لیتی ہے۔ اور اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتی ہے۔ لیکن پولیس کی چیلیں بند کمروں میں لے جا کر اپنے شکار کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرتی رہیں۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ شیخ عبداللہ پولیس اور سیکورٹی کے سخت کڑے پیرے میں تقریر کر رہے ہیں۔ حیرت ہے کہ انہوں نے معاہدہ دہلی کی بات تک نہ چھیڑی۔ انہوں نے کہا جو کچھ ہوا ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ میں ابھی انتظار کروں گا، پھر اس پوزیشن میں ہوں گا کہ سب کچھ آپ کے سامنے رکھ سکوں۔ آپ کو بھی انتظار کرنا چاہئے۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں عوام کے بنیادی حقوق کے بارے میں کوئی سودا بازی نہیں کروں گا۔ شیخ عبداللہ نے وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے تازہ ترین بیانات پر سخت نکتہ چینی کی۔ آپ نے پوچھا کہ کیا پاکستان نے اس ریاست کے پندرہ لاکھ عوام کو جو آزاد کشمیر میں بس رہے ہیں، حق خودارادیت دیا ہے۔ انہوں نے پاکستانی عوام سے طنزاً ”کہا کہ پہلے وہ اپنے گھر کی طرف

دیکھیں، اپنا گھر سنبھالیں پھر ہماری بات کریں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ پاکستانیوں کے قول و فعل میں ہمیشہ ہی تضاد تھا۔ انہیں کشمیر کی فضاؤں، سبزہ زاروں اور اس کے چشموں سے دلچسپی ہے۔ کشمیریوں سے نہیں، وہ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتے ہیں جو ماضی میں ہمارے ساتھ کیا گیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے دوسرے روز سرینگر کے براڈ وے ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا اور کہا کہ ”اقتدار سنبھالنا ۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے کی طرف پہلا قدم ہے۔۔۔ کشمیر سے تمام کالے قوانین منسوخ کئے جا رہے ہیں، اور سیاسی مقدمات واپس لئے جائیں گے۔ اس سوال کے جواب میں کہ وہ رائے شماری کا نعرہ دینے والوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ میں سیاسی سطح پر ان کا مقابلہ کروں گا، اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب کشمیر میں ڈنڈا اور تلوار نہیں چلے گی۔ ڈنڈے اور تلوار کا زمانہ گذر گیا۔ نئی دہلی کے ساتھ حتمی طور پر جو کچھ ہو گا اسے باقاعدہ طور عوام کے سامنے رکھا جائے گا، اور انتخابات کے ذریعے اس کی منظوری یا نامنظوری حاصل کی جائے گی۔“

سری نگر میں ۲۷ مارچ کو مختلف محکموں کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا کہ اگر اقتدار میرے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوا تو میں اسی طرح اسے ٹھکرا سکتا ہوں جس طرح میں نے ۱۹۵۳ء میں اقتدار کو ٹھکرایا تھا۔

## ۱۹۷۵ء کے چند واقعات

**فاتہ کشی** جون ۱۹۷۵ء میں وادی میں زبردست غذائی بحران نے قحط نما صورتحال پیدا کی، ذخیرہ اندوزوں نے غلہ غائب کیا اور فاتہ کشی اور گرانی سے عوام میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ کئی علاقوں سے اطلاعات آئیں کہ غریب کنبے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے درختوں کے پتے کھا رہے ہیں۔ عوام میں حکومت کے خلاف سخت بے زاری پھیلی اور اسلام آباد، سرینگر، بارہ مولہ اور بانڈی پورہ کے مختلف دیہات میں حکومت مخالف مظاہرے ہوئے۔

## گاندربل اور دیوسر میں الیکشن

وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور وزیر مال مرزا افضل بیگ کو اسمبلی کی رکنیت دلانے کے لئے دو نشستوں پر ضمنی انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ شیخ عبداللہ کے لئے گاندربل کی محفوظ نشست خالی کی گئی اور وزیر مال کو دیوسر سے کھڑا کیا گیا۔ دونوں کے مقابلے میں جماعت اسلامی نے گاندربل میں جناب اشرف صحرائی اور دیوسر میں مولانا حکیم غلام نبی کھڑے کئے۔ ۳ جولائی کو ہر دو نشستوں پر خوف و دہشت کے عالم میں ووٹ ڈالے گئے۔ اور ریکارڈ توڑ دھاندلیوں، مار دھاڑ اور پولنگ ایجنٹوں کے اغواء کے بعد وزیر اعلیٰ اور وزیر مال کامیاب قرار دیئے گئے۔ حالانکہ دھاندلیوں کے بغیر بھی وزیر اعلیٰ گاندربل سے جیت جاتے، لیکن شیخ عبداللہ کے پیروکاروں کو یہ گوارا نہ تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ ان کے لیڈر کے خلاف میدان میں اتر کر ان کی توہین کا مرتکب ہو۔ ان کا بس چلتا تو وہ حریف کا لبو بھی پیتے۔

## ایمرجنسی اور گرفتاریاں

۲۶ جون ۱۹۷۵ء کو وزیراعظم مسز گاندھی نے سارے ہند پر ایمرجنسی لاگو کر دی اور ۲۷ جون کو شہریوں کے بنیادی حقوق کالعدم کرنے کے لئے صدر ہند نے ایک حکم جاری کر دیا اور ۲۹ جون کو صدر ہندوستان کا حکم ریاست جموں و کشمیر تک بھی بڑھا دیا گیا۔ ہند میں گرفتاریوں کا ایک تند و تیز سانسپیکلون چلایا گیا۔ ۴ جولائی کو حکومت ہند نے جماعت اسلامی آر، ایس، ایس اور مارکسیوں کے سمیت ۲۶ تنظیمیں خلاف قانون قرار دیں ۴، ۵ جولائی کی درمیانی شب میں مجھے بھی پولیس نے اپنے گھراؤنہ گام

سے گرفتار کیا۔ میری بیداری اور گرفتاری سے پہلے بانڈی پورہ کی پولیس پارٹی کے ایک آفیسر نے میرے گھریلو ملازم کو جگا کر صحن میں کھڑا کیا، اور بغیر کسی اشتعال یا جواز کے اس کی مار پیٹ کی۔ شور و غل کی آواز سے میں بیدار ہو گیا، اور میں نے دو پولیس افسروں کو اندر آنے کی اجازت دی جو مجھے کوئی وارنٹ دکھائے بغیر گرفتار کر کے ۴ بجے صبح پولیس اسٹیشن بانڈی پورہ لے گئے۔ گرفتاری کے دوران دو گھنٹے تک میرا مکان پولیس کی جمعیت کے محاصرے میں رکھا گیا اسی روز طلوع آفتاب کے بعد مجھے ڈسٹرکٹ پولیس لائنز بارہ مولہ پہنچایا گیا جہاں سے میں اور دوسرے ساتھی رات کے گیارہ بجے تک سینٹرل جیل سری نگر پہنچا دیئے گئے۔ ۵ جولائی کو جماعت اسلامی کالعدم کر دی گئی۔ جناب سعد الدین امیر جماعت اسلامی کو عید الفطر کے روز گرفتار کیا گیا۔ اس کے تمام دفاتر اور ۱۲۳ درس گاہیں سربہ مہر کر دی گئیں۔ اس اقدام سے ریاست کے ۱۷ ہزار بچوں کا مستقبل بری طرح متاثر ہو گیا۔ ادھر قید میں ہماری گھریلو ملاقاتوں پر بھی پابندیاں عاید کی گئیں

## نیشنل کانفرنس کا احیاء

مدت ہوئی کہ محاذ رائے شماری کے کام کی اصل بنیاد ڈھا دی گئی تھی۔ اب محاذ بس ایک لاشہ بے جان تھا۔ محض دم شماری کر رہا تھا۔ چنانچہ ۶ فروری ۷۵ء کو مرزا محمد افضل بیگ نے سری نگر میں اخبار نویسوں کو بتایا کہ بدلے ہوئے حالات اور تقاضوں کی روشنی میں اب میں اپنی پارٹی کے سامنے یہ تجویز رکھوں گا کہ محاذ کا نام بدل دیا جائے، اور اس کے اغراض و مقاصد میں بھی تبدیلی لائی جائے۔ لیکن ۹ مئی ۷۵ء کو انہوں نے مجاہد منزل میں اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”محاذ رائے شماری کی جگہ نیشنل کانفرنس یا نیشنل کانگریس بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نئی پارٹی کا نام جمہوری محاذ یا عوامی محاذ ہو گا۔ اس کا فیصلہ ڈیلی گیٹیشن میں ہو گا۔“

۵ جولائی کو محاذ رائے شماری کی جنرل کونسل کا آخری اجلاس ہوا جس میں محض ہنگامہ آرائیوں کے بعد محاذ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔ بہت سارے اراکین نے تجویز کی مخالفت کی، اور اسے ۹ اگست کے شہیدوں سے غداری قرار دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ منظر بڑا ہی رقت آمیز تھا۔ کئی ممبروں کی آنکھوں میں

انھوں کے جام بھرے ہوئے تھے۔ سرکردہ ممبروں میں صوفی محمد اکبر اور عبدالرشید شاہ ایڈووکیٹ وغیرہ کے جذبات بے قابو تھے۔ فریاد ہو رہی تھی کہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ اور شہیدوں کو کیسے مطمئن کریں گے۔ کسی کو اس ایسے پر بولنے کی خاطر چند منٹ بھی نہ ملے۔ اور بیگ نے کسی کی ایک بھی نہ سنی۔ انہوں نے یہ کہہ کر سب کا منہ بند کر دیا کہ شیخ صاحب کا فرمان تو یہی ہے۔ صوفی محمد اکبر اس اجلاس میں شامل نہیں ہوئے کیونکہ وہ پہلے ہی مایوس ہو گئے تھے

صوفی محمد اکبر اور عبدالرشید شاہ ایڈووکیٹ اور دوسرے کئی محاذی ورکر نئی پارٹی میں شامل نہیں ہوئے اور وہ محاذ رائے شماری کی رسم فاتحہ خوانی پر ماتم کرتے رہے۔

مرگ جگر پر کیوں تیری آنکھیں ہیں اشک ریز  
یہ سانحہ سسی مگر اتنا اہم نہیں

اس واقعہ کے کوئی دو برس بعد صوفی محمد اکبر نے برزلہ میں حق خود ارادیت کے حصول کے لئے ”محاذ آزادی“ قائم کیا اور ۲۰ مئی ۷۷ء کو اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس میں اس کا باضابطہ اعلان کیا اور کہا کہ نئی پارٹی بین الاقوامی طور پر منظور شدہ اصولوں کے تحت یا حق خود ارادیت یا اور کسی متبادل ذریعے سے حصول آزادی اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے جدوجہد کرے گی۔ رائے شماری مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا ایک ذریعہ ہے

۲۹ جولائی ۷۷ء کو گول باغ میں محاذ آزادی کے تحت بلائے گئے پہلے عام جلسے سے خطاب کرتے ہوئے صوفی محمد اکبر نے کہا کہ ۳۷۰ ایک خالی تھیلا ہے۔ جس کے نام پر دونوں فریق نیشنل کانفرنس اور جنتا پارٹی عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے الیکشن کے بارے میں کہا کہ ہم ان سے لاتعلقی رہیں گے ان کا بائیکاٹ نہیں کریں گے۔

جامع مسجد میں ڈاکٹر آدم ملک

۳۰ جولائی ۷۷ء کو انڈونیشیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر آدم ملک سری نگر پنچ گئے۔ یکم اگست کو وہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کے ہمراہ سرینگر کی جامع مسجد دیکھنے گئے۔ امیر جنسی کے دن تھے، لوگ شیخ عبداللہ سے بے زار تھے۔ چنانچہ وہ مشتعل ہو گئے۔

اور انہوں نے وزیر اعلیٰ کا گھیراؤ کیا، جس میں ڈاکٹر ملک بھی پھنس گئے۔ جھوم نے رائے شماری اور پاکستان کے حق میں نعرے لگائے۔ اس واقعہ کے بعد شہر کے سینکڑوں لوگ حراست میں لئے گئے، اور مختلف قسم کے مقدمات میں پھنسا دیئے گئے۔

## کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی محاذ آرائی

کشمیر کانگریس کے لیڈر بادل ناخواستہ ہی شیخ محمد عبداللہ کے حق میں اقتدار سے دست بردار ہو گئے تھے لیکن ان کی چلی صفوں اور انتہا پسندوں نے دل سے اس تبدیلی کو قبول نہ کیا تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں بیٹھ کر شیخ عبداللہ کے خلاف اپنی پروپیگنڈا مہم چالو کرانے کے لئے بے قرار تھے۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ وزراء کی کونسل میں ان کے وزیر برائے نام ہیں اور اصل پالیسی ساز کانفرنسی ہیں تو انہوں نے پہلے تو کانفرنس کے خلاف خفیہ اور پھر کھلم کھلا مہم شروع کر دی۔ وزیر اعلیٰ نے انہیں خبردار کیا کہ کانگریس کو سرکاری پالیسیوں کی مذمت زیب نہیں دیتی کیونکہ وہ خود بھی حکومت میں شریک کار ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کا علی الاعلان آغاز کر دیا۔ یہ سلسلہ بند کرنے کے لئے وزیر اعظم مسز اندارا گاندھی ۹ اکتوبر ۷۵ء کو سری نگر پہنچ گئیں۔ اس سے پہلے ۸ اکتوبر کو لال چوک میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ وزیر اعظم کا یاد گار استقبال کریں۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم کے ساتھ ہمارے تین قسم کے تعلقات ہیں۔ شریعتی گاندھی کشمیری نژاد ہیں۔ ان کے خاندان نے خود کو ہماری تحریک کے ساتھ وابستہ کیا تھا اور وہ ہندوستان کی وزیر اعظم ہیں لیکن ریاستی کانگریس پر سخت حملہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ یہ لوگ بہروپی بن کر ہماری عزت کا سودا کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کروڑوں کی جائیدادیں بنائی ہیں اور شراب کے خم لٹھہائے ہیں۔ وزیر اعظم نے کانگریسوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ جنہوں نے سال ہا سال اپنی زندگی شراب نوشی میں گزاری کیا سمجھ رہے ہو کہ قوم تمہارے سامنے سجدہ کرے گی، ان کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنا حساب پیش کریں۔ اگر عوام انہیں چھوڑ دیں گے تو ہم بھی انہیں چھوڑ دیں گے کانگریس نے دس سال میں ریاست کو قرض میں ڈبو دیا، ریاست کی تمام آلودگی اور بد اخلاقی کانگریس کے دس

برسوں کا ورثہ ہے۔ یہاں لڑکیوں کے لئے باہر نکلتا نہایت دشوار تھا۔ امتحانات میں نقل کرنا معمول بن گیا تھا۔ بہر حال مسز گاندھی کا استقبال کرنے کے لئے کانگریس اور کانفرنس دونوں نے ایک دوسرے پر بازی لینے کی کوشش کی۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو مجاہد منزل میں وزیر اعلیٰ نے اپنے پارٹی ورکروں سے کہا:-

”میں شریعتی اندرا گاندھی کے زیادہ قریب ہوں۔ اندرا جی کی عزت ہماری عزت ہے۔ اس کے باوجود ان کا حق ہے کہ وہ ہم کو بھی وہی اعتماد دیں جس کا اظہار وہ کانگریسیوں سے کر رہی ہیں۔ یہ ان کا اپنا حق ہے۔“

شیخ عبد اللہ نے ریاست میں کانگریس کا وجود نیشنل کانفرنس کے لئے ایک

چیلنج قرار دیا۔

کشمیر میں اپنے دو حلیفوں۔ کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی باہمی چپقلش پر مسز گاندھی کو سخت تشویش تھی چنانچہ وہ ۲۷ مارچ ۱۹۷۶ء کو دو روزہ دورے پر جموں پنج گئیں۔ ۲۸ مارچ کو مسز اندرا گاندھی کے اعزاز میں دیئے گئے ایک استقبالیہ میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبد اللہ نے کہا:-

”ہمیں راستہ بدلانے میں ایک راہنما کی ضرورت تھی خوش قسمتی سے خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ راہنما مسز گاندھی کی شکل میں دے دیا۔“

مسز گاندھی کے اعزاز میں ایک الوداعی جلسے میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبد اللہ نے

کہا:-

”اے لوگو! میں تین نعرے دوں گا۔ تم ان کا جواب اس زور سے دو کہ جب مسز گاندھی پالم کے ہوائی اڈے پر اترے تو یہ نعرے وہاں بھی اس کے کانوں میں گونجتے رہیں۔“

اس کے بعد وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبد اللہ نے مسز گاندھی کی ذات اور ہندوستان کے حق میں تین تین بار نعرے بلند کئے۔

۲۹ مئی ۱۹۷۶ء کو کوکر ناگ کے عوامی جلسے میں کانگریس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبد اللہ نے کہا کہ یہ لوگ مداریوں کا روپ دھار کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہاں تک کہ اپنے جلسے کامیاب بنانے کے لئے اخلاق سوز طریقے استعمال کرتے ہیں اور میری حکومت کے خلاف ڈھٹائی سے زہر افشانی کر

رہے ہیں۔ کشمیر اکارڈ کی عمل آوری ایک مشترک فرض ہے اور کسی ایک فریق کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے فریق کے خلاف زہر افشانی کرے۔

۲۳ ستمبر ۱۹۷۶ء کو شاہی مسجد میں ایک بھاری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبد اللہ نے کانگریس پر زبردست تنقید کی اور کہا کہ اگر کانگریسیوں کا یہ خیال ہے کہ اقتدار سپرد کرنے سے ہماری ۱۹۳۱ء کی تحریک ختم ہو گئی ہے تو وہ ان کی غلط فہمی اور خام خیالی ہے۔ وہ چاہیں تو اسمبلی میں عدم اعتماد کر کے اقتدار مجھ سے واپس لے سکتے ہیں۔“

## پارلیمنٹ کے انتخابات

### حزب اختلاف کو متحد کرنے کی ناکام کوشش

۱۸ جنوری ۱۹۷۷ء کو وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے ایک غیر معمولی شبانہ نشیے کے مطابق صدر فخر الدین علی احمد نے ہندوستان کے ایوان زیریں کو توڑ کر عام انتخابات کے لئے مارچ کا مہینہ مقرر کیا۔ اس اعلان کے بعد ریاست میں بھی مختلف سیاسی عناصر نے کھسر پھسر اور جوڑ توڑ کا آغاز کیا۔ اور نیشنل کانفرنس اور صوبائی کانگریس کمیٹی سرگرم ہو گئی

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے دونوں کو آپسی مقابلہ آرائی سے باز رکھا، اور دونوں نے ریاست کی پارلیمانی نشستیں آپس میں تقسیم کر دیں۔ سری نگر اور بارہ مولہ نیشنل کانفرنس کو اور اسلام آباد کانگریس کو ملی۔ اس انتخابی گٹھ جوڑ کے باوجود دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف خفیہ طور پر مصروف عمل رہیں۔ نیشنل کانفرنس نے سری نگر کی پارلیمانی نشست سے وزیراعلیٰ کی اہلیہ بیگم اکبر جان اور بارہ مولا سے خواجہ عبدالاحد وکیل کو کھڑا کیا، اور اسلام آباد کی نشست سے کانگریس کے محمد شفیع قریشی کھڑے کئے گئے۔

نیشنل کانفرنس کی نامزدگیاں اس کے بیگ گروپ کو ناگوار گذریں اور بیگ نواز عناصر اپنی تنظیم کے امیدواروں کے خلاف درپردہ ایک مہم چلانے میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ کانفرنس کے غلام محمد شاہ گروپ کو نامزدگیوں کے وقت بیگ گروپ پر ترجیح دی گئی تھی عوام نے کانفرنس اور کانگریس کا گٹھ جوڑنا پسند کیا، اور وہ ان دونوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دوسری اپوزیشن پارٹیوں کی طرف دیکھتے رہے۔ دوسری طرف سے لوگ معاہدہ دہلی پر بھی کاری ضربیں مارنے کے لئے ایکشن مہم میں تیار کھڑے تھے۔ نیشنل کانفرنس اور اس کے قائد کے خلاف وادی بھر میں ناراضگی کی جو لہر پھیل چکی تھی، اس کا سود مند اور موزوں استعمال کرنے کے لئے وادی میں کوئی قابل ذکر تنظیم موجود ہی نہ تھی۔ اور اندرا عبداللہ اکارڈ کے مخالفین منتشر تھے۔ حزب اختلاف کے رہنماؤں کی کوئی متحدہ حکمت عملی نہ تھی۔ اور وہ سب اپنی اپنی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ والی مسجدوں میں بند تھے۔ بہر کیف میں نے وقت کی صورت حال کو محسوس کر کے ایک شام میر واعظ مولانا محمد فاروق سے ملاقات کی۔ جو اس وقت اپنے بیدروم میں ایک

پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اس وقت لوگ ایک متحدہ آواز کی رہنمائی میں نیشنل کانفرنس اور صوبائی کانگریس دونوں کے خلاف لڑ کر معاہدہ دہلی اور لینڈ گرانٹس ترمیمی ایکٹ کو ایک انتخابی ایشور بنانے کے حق میں ہیں۔ ان دونوں اقدامات سے عوام کے جذبات مجروح ہوئے ہیں، اور کشمیر کی رسوائی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب نے میری تجویز کے فوائد، پس منظر، تمہ منظر اور پیش منظر سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ میں خود بھی اس بات کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ دوسرے یکساں خیالات رکھنے والے لوگ اور پارٹیاں اس قسم کے مجوزہ اتحاد میں شامل ہوں۔ چنانچہ ان کے کہنے پر میں مولانا سعد الدین (امیر جماعت اسلامی ممنوعہ) مولانا عباس انصاری (شیعہ رہنما) صوفی محمد اکبر اور پیپلز لیگ کے لیڈروں سے الگ الگ ملاقی ہوا۔ مولانا سعد الدین نے تجویز کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ مولانا محمد عباس انصاری اس سوال پر غور کرنے کے لئے ایک ایسی مشترکہ میٹنگ میں شامل ہونے کے لئے تیار تھے۔ جو میر واعظ منزل سے باہر کسی اور مقام پر منعقد کی جائے۔ کیونکہ ان کے خیال میں مولوی محمد فاروق ذاتی ساکھ کے لئے زیادہ فکر مند رہتے ہیں اور اپنے مفادات کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ دوسری طرف سے مولوی محمد فاروق کا خیال تھا کہ میر واعظ منزل کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اور بقول ان کے حزب اختلاف کی تاریخی مہمیں اسی عمارت میں منعقد ہوئی ہیں۔ سری نگر میں انفرادی ملاقاتوں کے بعد راقم اور پیپلز لیگ کے فضل الحق قریشی، صوفی محمد اکبر سے ملاقات کرنے کے لئے سوپور چلے گئے۔ صوفی صاحب سے ہماری طویل ملاقات ہوئی۔ جس میں انہیں سرینگر آکر مخالف لیڈروں کی میٹنگ میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کشمیر اکارڈ اور محاذ رائے شماری کی نیشنل کانفرنس میں تبدیلی کے سوالات پر کافی باتیں کیں۔ اور ان اقدامات کی خوب مرضیہ خوانی کی۔ وہ حق خودارادیت کے حصول کی خاطر ایک نئی تنظیم کے قیام کی باتیں کرتے رہے۔ انہیں کسی قسم کے متحدہ اپوزیشن محاذ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ایکشن کمیٹی برائے حصول موئے مقدس کے نو پارٹی محاذ کا انجام یاد دلا رہے تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ میں خود ہی ایک نئی تنظیم کسی کے ساتھ اتحاد کئے بغیر قائم کروں گا۔ وہ اپنی منزل مقصود کو ہنگامہ انتخابات سے بہت بلند اور مختلف تصور کر رہے تھے۔ اور زور دے کر کہہ رہے تھے کہ ہمارا اصل مدعا ایکشن لڑ کر حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ الیکشن سے بائیکاٹ کروانے کی تجویز یا اس قسم کے بائیکاٹ کے لئے اپیل کرانے کے

بھی حامی نہ تھے۔ ان کو اعتراف تھا کہ الیکشن لڑنا اور ووٹ ڈالنا آج کل کشمیر کے عوام کا زور دار رجحان بن گیا ہے۔ اگر ہم بائیکاٹ کی اپیل کریں تو ہمیں اپنی بے عزتی کے بغیر اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یوں وہ نہ تو الیکشن سے بائیکاٹ اور نہ الیکشن میں حصہ لینے کے حق میں تھے۔ وہ اس بات کے حق میں بھی نہ تھے کہ حکمران تنظیم کے امیدوار کسی مقابلہ کے بغیر ایوان اسمبلی میں جائیں، اور جب ان سے کہا گیا کہ وہ خود بھی کسی سیٹ پر میدان الیکشن میں اتریں، تو انہوں نے اتفاق نہیں کیا۔ البتہ وہ ضرور ان انتخابات میں کسی ایسے امیدوار کا کھڑا ہو جانا پسند کرتے تھے جس کو آگے لا کر معاہدہ دہلی کے خلاف رائے عامہ متحرک کر دی جائے۔ وہ عجیب قسم کے ذہنی تصادم میں گرفتار تھے۔ چونکہ دوسرے روز بارہ مولہ میں نیشنل کانفرنس کے عبدالاحد وکیل کی طرف سے کانغذات نامزدگی دائر کرنے کا پروگرام تھا۔ اس موقع پر کانفرنسیوں کا جلوس بھی نکلتا اور عین ممکن تھا کہ وہ اپنے پرانے معمر رفیق کی آشیر باد لینے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر بھی آجاتے۔ وہ اس قسم کے امکانی موقع پر گھر میں اپنی موجودگی کو مناسب تصور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے سرینگر آکر مولوی محمد فاروق سے ملنے کا پروگرام بنایا، وہ رات کو سری نگر آئے، اور کئی روز تک ان کا قیام سرینگر میں رہا۔ مولوی محمد فاروق سے ملاقات کی، اور حق خود ارادیت پر اصرار کرتے ہوئے اپنا نکتہ نگاہ پیش کیا۔

وقت تیزی کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ لوگ اپوزیشن کے امیدوار کا نام سننے کے لئے سخت بے تاب تھے۔ اور اخبارات بھی اپنی اپنی صحیح و غلط قیاس آرائیوں میں لگے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں مولوی فاروق صوفی محمد اکبر اور مولوی عباس انصاری کی الگ الگ میٹنگیں ہوئیں اور ایک الیکشن متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے مولوی محمد فاروق کے ہاں ممنوعہ جماعت اسلامی، پیپلز لیگ اور پولیشکل کانفرنس کے لیڈروں کے درمیان کئی شبانہ میٹنگیں ہوئیں۔ میں بھی ان میٹنگوں میں شریک رہا۔ بڑی گرم جوش ہوئیں۔ وقت کے تقاضوں اور بنیادی ضرورت پر سب کا اتفاق تھا، لیکن فی الوقت کسی متحدہ محاذ کے قیام پر اتفاق نہ ہو سکا۔ اس بات پر سب متفق تھے۔ کہ الیکشن مہم کو حق خود ارادیت کے حق میں اور معاہدہ دہلی کے خلاف استعمال میں لایا جائے۔ میٹنگ کے اختتام پر مجھ سے متفقہ طور پر سری نگر کی پارلیمانی نشست پر کانغذات نامزدگی دائر کرنے کے لئے کہا گیا، اور فضل الحق قریشی کو میرا کورنگ امیدوار

قرار دیا گیا اس فیصلے کی رو سے ہم دونوں آزاد امیدواروں کی حیثیت سے میدان میں آنے والے تھے۔ لیکن دوسرے روز مجھے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ میرا وعظ مولوی محمد فاروق نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے۔ ان کے ساتھ کئی گھنٹے تک بات چیت ہوئی۔ انہوں نے اصرار کیا کہ میں میدان الیکشن کے لئے کانغذات نامزدگی دائر کرنے سے باز رہوں۔ انہوں نے ہمیں متاثر کرنے کے لئے عجیب قسم کے دلائل دیئے۔ مولوی محمد فاروق نے کہا کہ حق خود ارادیت کا حصول نہ کہ انڈین پارلیمنٹ کی سیٹ ہمارا مقصود زندگی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انڈین پارلیمنٹ میں داخل ہو کر ہم جیسے لوگ ریاست کے مسائل سے دور ہو جائیں گے۔ اور ہندوستان کے قومی دھارے میں ہمہ جائیں گے۔ ہمیں ریاست کے مسائل کی خاطر صرف ریاست کے اندر رہنا ہو گا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حلقہ انتخاب میں میں اپنے تمام ووٹوں کو ووٹ اندازی سے باز رکھوں گا۔ اس طرح آپ ایک خاصے بڑے حصے سے محروم ہوں گے۔ مولوی محمد فاروق نے کہا کہ شیعہ ووٹ بہر حال آپ کو نہیں ملیں گے، وہ مولوی افتخار انصاری کو چلے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں الیکشن سے بائیکاٹ کے حق میں بھی نہیں ہوں اور بیگم عبداللہ کی بلا مقابلہ کامیابی کے حق میں بھی نہیں۔ بیگم عبداللہ کا برائے نام مقابلہ ضرور ہونا چاہئے۔ اور اس قسم کے کئی لوگ بہر حال میدان میں موجود ہیں۔ دوسرے روز ریٹرننگ آفیسر کے احاطے میں لوگ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے ان پر ساری صورت حال واضح کی۔ لیکن وہ برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر ان کے اصرار پر فضل الحق صاحب قریشی کے کانغذات نامزدگی دائر کئے گئے۔ اگرچہ وہ بھی تیار نہ تھے۔ ہم نے انہیں تیار کیا۔ ریٹرننگ آفیسر کے دفتر سے باہر آتے ہی خفیہ پولیس نے موصوف کو گرفتار کیا اور بعد میں ان کے کانغذات نامزدگی رد کئے گئے۔

### نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے اسباب

اب میدان میں بیگم عبداللہ کے مقابلے میں مولوی افتخار انصاری تھے۔ جو چند روز پہلے کانگریس سے مستعفی ہو کر ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں آئے تھے، اور انہوں نے اپنی حمایت کے لئے مولوی محمد فاروق سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ابتداء میں سری نگر میں عبداللہ مخالف لہر تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا زور شور ٹوٹ گیا۔ انتخابی مہم نے شیعہ سنی اور شیر بکرا رنگ اختیار کیا۔ نیز مولوی افتخار انصاری کے



کانگریسی ماضی نے بہت سارے دوڑ گوشہ نشین ہونے پر مجبور کئے نیشنل کانفرنس کی امیدوار بیگم عبداللہ کے حق میں سرکاری ایڈمنسٹریشن کا استعمال بھی ہو رہا تھا۔ سری نگر کے حلقہ انتخاب میں سخت دھاندلیاں ہوئیں۔ لیکن دھاندلیوں کے بغیر بھی کانفرنسی امیدوار کے جیتنے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ شیعہ سنی اور شیر بکرا رنگت نے پھر سے بہت سارے بد دل نیشنل کانفرنسیوں کو بیگم عبداللہ کا ساتھ دینے کے لئے اکسایا تھا۔ ادھر بارہ مولہ کے حلقہ انتخاب کے سب ہی دیہات میں نیشنل کانفرنس زوروں پر تھی۔ ممنوعہ جماعت اسلامی کے نظربند امیدوار سید علی گیلانی کے حامیوں کا سارا زور اہم قصبوں میں مظاہروں میں صرف ہو گیا۔ ارد گرد کے دیہات کی ان پڑھ آبادی پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس طرح سری نگر اور بارہ مولہ کی دونوں سیٹیں نیشنل کانفرنس نے حاصل کیں۔ اور اسلام آباد کی سیٹ کانگریس نے حاصل کی۔ جہاں کانگریس مخالف امیدواروں کے ووٹ بٹ گئے۔

ادھر ہندوستان میں جنتا پارٹی نے حکمران کانگریس جماعت کو حیرت انگیز طور پر شکست دے کر اقتدار حاصل کر لیا۔ اس انتخاب میں خود وزیراعظم مسز اندرا گاندھی ان کے صاحبزادے بجنے گاندھی اور بڑے بڑے کانگریسی وزیر و امیر ہار گئے۔ ۲۲ مارچ کو ہاری ہوئی حکومت نے سارے ملک سے ایمرجنسی ہٹائی، اور تمام خلاف قانون تنظیموں کا وجود پھر سے بحال کیا۔ ۲۳ مارچ کو انڈین نیشنل کانگریس ۳۰ برس تک حکومت کرنے کے بعد اقتدار سے محروم ہو گئی اور جنتا پارٹی کے مسٹر مرار جی ڈیسائی نے ۲۳ مارچ کو وزیراعظم ہندوستان کی حیثیت سے حلف وفاداری اور رازداری اٹھایا۔

## کشمیر اسمبلی کے انتخابات

ہندوستان میں کانگریس کی شکست فاش کے بعد کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کے مخالفین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ۲۵ مارچ کو صوبائی کانگریس کمیٹی نے عبداللہ حکومت سے اپنی حمایت واپس لے کر اس کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس خبر پر کشمیر میں پٹانے چھوڑے گئے، اور سری نگر میں چراغاں کیا گیا۔ پردیش کانگریس نے مفتی محمد سعید کو اپنی یومیہ پارٹی کا نیا لیڈر چن لیا، اور انہوں نے گورنر جماعت سے درخواست کی کہ انہیں ریاست کی نئی کابینہ تشکیل دینے کی دعوت دی جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ پردیش کانگریس اور نیشنل کانفرنس کا ملاپ کبھی بھی دلوں کا ملاپ نہیں تھا۔ بلکہ ہمیشہ اوپر سے ٹھونسا جاتا رہا۔ اب جب کہ پردیش باڈی نے دیکھ لیا کہ مرکز میں ان کا اقتدار ٹوٹ گیا اور یہ محسوس کر لیا کہ آنے والے ریاستی انتخابات میں وہ مکمل طور پر نیست و نابود ہو جائیں گے، اس لئے انہوں نے خیال کیا کہ کیوں نہ وہ نئی وزارت خود تشکیل دے کر آنے والے انتخابات اپنی نگرانی میں کرائیں، اور اقتدار کے دوبارہ حصول کو اپنے لئے یقینی بنائیں۔

شیخ عبداللہ کے خلاف بھڑان پیدا کرنے کی کوششوں کے خلاف ۲۶ مارچ کو نیشنل کانفرنس والوں نے شہر میں جزوی ہڑتال کرائی جو اب میں مخالفوں نے مظاہرے کئے اور مخالف گروپوں نے ایک دوسرے کے خلاف سنگباری کی۔ ان حملوں کے دوران شہر میں کاروبار معطل ہو گیا، اور حکومت نے تعلیمی اداروں کو بند کر دیا۔ اسی اثناء میں بعض عناصر نے شہر میں شیعہ، سنی فرقہ وارانہ فسادات بھڑکانے کی ناکام کوشش کی۔ صورت حال کے پیش نظر وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی سفارشات پر ۲۷ فروری کو گورنر جماعت نے اسمبلی توڑنے، عام انتخابات کرانے اور گورنر راج کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ گورنر راج کے نفاذ کے بعد کشمیر میں نیشنل کانفرنس اور اس کے مخالفوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ اندرونی شہر میں مخالف گروہوں کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔ ۶ اپریل کو طلباء نے امیر اکدل میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مظاہروں کی رہنمائی کی۔ اور غنڈہ گردی کے واقعات کی مذمت کی۔ انہوں نے اسمبلی

کے لئے آزاد اور دبے ریا انتخابات اور اوقاف اسلامیہ سری نگر کے محاسبے کا مطالبہ کیا۔

### شیخ عبداللہ کی آمد

وزارت سے استعفیٰ دینے کے بعد شیخ محمد عبداللہ پہلی بار ۷ اپریل کو جموں سے سری نگر پہنچ گئے۔ لال چوک میں شیخ محمد عبداللہ کا زبردست استقبال ہوا۔ لیکن سیکورٹی کے زبردست بندوبست میں انہوں نے بیس منٹ تک عوام سے خطاب کیا، اور کشمیر میں جنتا پارٹی کے داعی خواجہ غلام محی الدین قرہ اور کانگریس پر کڑی تنقید کی۔ شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ وہ کشمیر کی تقدیر جنتا پارٹی کے سپرد کرنے کی اجازت نہیں دیں گے شیخ کی آمد سے پہلے رات کو پولیس نے بہت سارے طلبہ کو گرفتار کر لیا تھا۔ جموں سے سری نگر کا سفر کرتے ہوئے کھنہ بل میں طلبہ نے ان کی تقریر کے دوران مظاہرے کئے۔ جس سے نیشنل کانفرنس اور اس کے مخالفوں کے درمیان تصادم ہوا، اور پولیس نے اشک آور گیس کے گولے پھینکے نیشنل کانفرنس کے حامی مقامی کالج کیمپس میں داخل ہوئے، جہاں پولیس اور حملہ آوروں نے مبینہ طور پر کمروں میں گھس کر طلباء طالبات اور اساتذہ کی مار پیٹ کی ادھر سری نگر کے اندرونی علاقوں میں بھی مخالفین کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف پتھراؤ کے واقعات رونما ہوئے۔ اور ۱۱ اپریل کو امیر اکدل میں طلباء طالبات نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ جلوس نے بے قابو ہو کر نیشنل کانفرنسی وفتروں کے بورڈ اور جھنڈے اتار کر نذر آتش کر دیئے۔ رات کے سات بجے نواب بازار میں مخالف گروپ ایک دوسرے سے لڑ پڑے اور پتھروں کا استعمال کیا۔ لا اینڈ آرڈر کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو دیکھ کر حکومت نے ایک ماہ کے لئے سری نگر کی میونسپل حدود میں دفعہ ۱۳۳ نافذ کر دی

### سری نگر میں جنتا یونٹ

کشمیر میں جنتا پارٹی کی لہر پھیل چکی تھی، اور لوگ سوچے سمجھے بغیر جنتائی بننے کا اعلان کر رہے تھے۔ اس لہر میں کشمیر کے چند کمنہ مشق سیاست کار اور اچھے نوجوان بھی بہہ گئے۔ سب سے پہلے کشمیر میں جنتا پارٹی کے پھیلائے میں کشمیر موٹر ڈرائیورس

ایسوسی ایشن نے منظم رول انجام دیا۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ بھی جنتا پارٹی کی طرف دعوت دینے لگے۔ اور مولانا محمد سعید مسعودی بھی اپنی رہائش گاہ پر اس تنظیم کی ثناء خوانی میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس زمانے میں گاندربل میں مولانا مسعودی سے کئی بار ملاقاتیں کیں۔ لیکن وہ روز بروز جنتا پارٹی کی لہر پر خود بھی ثار ہوتے جا رہے تھے۔ اور ہماری یہ تجویز ماننے سے انکار کرتے رہے کہ علاقائی پارٹیوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے جو انتخابات میں حصہ لے۔ وہ ایک ایسی پارٹی کی ایڈہاک کمیٹی بنانے پر اصرار کر رہے تھے، جو جنتا پارٹی کہلائے گی۔ اور جس میں جماعت اسلامی اور عوامی ایکشن کمیٹی والے بھی اپنے نمائندے بھیج دیں۔ اور ان میں سے جو کوئی بھی کشمیر اسمبلی کے انتخابات میں شریک ہو جائے۔ وہ جنتا پارٹی کے اقتدار کا سہارا لے کر کشمیر کے اسمبلی انتخابات میں حصہ لینے کے قائل تھے انہوں نے بہت سارے نوجوانوں کو اپنی بات کا قائل کر دیا تھا۔ عوامی ایکشن کمیٹی والوں میں بھی وہ اس تجویز کے حق میں حوصلہ افزا تاثرات پارہے تھے۔ اور جماعت اسلامی کو بھی قائل کرنے کے لئے سر توڑ کوششیں جاری تھیں۔ دوسری طرف سے نیشنل کانفرنس بھی کشمیر کی مقامی جماعتوں کے اشتراک سے مرکزی تنظیم جنتا پارٹی کا مقابلہ کرنے کے لئے یہاں کی مقامی تنظیموں مثلاً جماعت اسلامی اور عوامی ایکشن کمیٹی کے ساتھ رابطہ قائم کر رہی تھی اور نیشنل کانفرنس کے ساتھ جماعت اسلامی کی کئی خفیہ میٹنگیں بھی ہوئیں۔

۲۶ اپریل کو نئی دہلی میں اشوک مہتہ نے ایک اعلان کے ذریعے مولانا مسعودی کو کشمیر میں جنتا پارٹی کا کنوینر نامزد کر دیا۔ اور ۲۷ اپریل کو ریاستی جنتا پارٹی کے یونٹ کی تشکیل کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ جس میں خواجہ غلام محی الدین قرہ، مولوی افتخار حسین انصاری، خواجہ غلام رسول کوچک شمیم احمد شمیم۔ خواجہ عبدالغنی لون، چوہدری محمد شفیع، غلام نبی اونٹو۔ مسٹر اوم پرکاش صراف، سردار سنت سنگھ تیج۔ محمد امین نحوی چمن لال وغیرہ لئے گئے۔ اس اعلان کے بعد جب میں نے گاندربل میں مولانا مسعودی سے ملاقات کی اور جنتا پارٹی میں شمولیت کا سوال پوچھا تو انہوں نے اپنی عادت اور فطرت کے مطابق اس کا جواب پراسرار اور مبہم بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ مرکز کے جنتا لیڈر یہاں آگئے انہوں نے مجھے مجبور کر دیا، اور کہا کہ اگر آپ نے ہماری درخواست مسترد کر دی تو ہم یہاں دھرنا لگائیں گے۔ خیر انہوں نے خود ہی میرا نام فہرست میں شامل کر لیا ہوگا۔ میں ایک بیمار آدمی ہوں۔ صرف مشورہ

دے سکتا ہوں الیکشن میں سرگرم حصہ نہیں لے سکوں گا۔

کئی ماہ کے بعد مولانا مسعودی اور مولانا فاروق کا رابطہ بحال ہو گیا مولوی محمد فاروق گاندربل گئے۔ انہوں نے مولانا مسعودی سے ملاقات کی، اور بعد میں مولانا محمد فاروق کے گھر، مولانا مسعودی کا آنا جانا شروع ہو گیا، اور آخر کار وہ جنتا پارٹی کے لئے سرگرم ہو گئے۔ ۶ مئی ۷۷ء کو میر واعظ مولوی محمد فاروق نے شیر کشمیر میونسپل پارک جا کر پہلی انتخابی تقریر کی۔ انہوں نے جنتا پارٹی کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کر دیا، اور دعویٰ کیا کہ کچھ بھی ہو اس الیکشن میں نیشنل کانفرنس کامیاب نہیں ہو گی۔ ان کی تقریر کے بعد رات کو نواب بازار میں عوامی مجلس عمل اور نیشنل کانفرنس کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ جن میں ایک دوسرے پر پتھر برسائے گئے۔

میر واعظ مولوی محمد فاروق کی تقریر اور جنتا پارٹی کے حق میں ان کے غیر مشروط اعلان کے بعد مولوی صاحب کے خلاف ناراضگی کی لہر پھیلنے لگی۔ شیخ محمد عبداللہ کے مخالفوں نے بھی ان کے اپروچ اور اعلان کو ناپسند کیا۔ کیونکہ لوگ نیشنل کانفرنس کا مقابلہ جنتا پارٹی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے کرنے کے سخت خلاف تھے۔ اس صورت حال نے عوامی مجلس عمل اور جماعت اسلامی کے درمیان انتخابی اشتراک کی بات چیت بھی متاثر کر دی۔ جماعت اسلامی کے حلقوں میں بھی جنتا پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کے خلاف شور و شر پیدا ہوا۔ حالانکہ جماعت اسلامی میں بھی بعض لوگ جنتا پارٹی کے ساتھ انتخابی اشتراک کے لئے آمادہ نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف سے سیٹوں کی تقسیم پر بھی جماعت اسلامی اور جنتا پارٹی کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا، اور آخر کار جماعت نے آخری وقت پر اپنے امیدواروں کا اعلان کر دیا۔ تاہم اس نے نیشنل کانفرنس، کانگریس پارٹی اور جنتا پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں کے خلاف اپنا کوئی امیدوار میدان میں نہیں جھونکا۔

میں نے اصولی طور پر اس بات کی زبردست کوشش کی کہ مولوی محمد فاروق جنتا پارٹی میں شامل نہ ہوں۔ اور نہ اپنی حق خود ارادیت نواز تنظیم کو اس پارٹی کا دم چھلہ بنائیں۔ لیکن مولانا مسعودی کی منطق نے ان کو صرف جنتا پارٹی کے اندر اپنے اقتدار و اختیار کی گارنٹی دلائی تھی۔ اب وہ شیخ عبداللہ کی دیکھا دیکھی کشمیری عوام کے لئے حق خود ارادیت کے مطالبے کا رہا سہا لبادہ بھی پھاڑ دینا چاہتے تھے۔ اسی راہ پر گامزن ہونے کے لئے بے قرار تھے۔ جس پر محاذ رائے شماری کے لیڈر چل کر مسند

اقتدار پر بیٹھ گئے تھے، اور حق خود ارادیت کے معاملے میں اپنے گزشتہ بیانات کو اسی طرح بھلا رہے تھے، جس طرح شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ بھول چکے تھے۔ لیکن انہوں نے حق خود ارادیت کے مطالبے کو دفن کرنے کے لئے ایک اور طریقہ نکالا۔ مولوی صاحب نے جامع مسجد میں اعلان کیا کہ وہ موجودہ حالات میں رائے شماری اور حق خود ارادیت کے سوال کو تین ماہ کے لئے التواء میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کے کیلنڈر میں وہ تین ماہ ابھی تک ختم نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے حق خود ارادیت کا مطالبہ بھی دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ اصل میں یہ مطالبہ اب ان کی نگاہ میں زائد المعیاد بن چکا ہے اور ان کا اصل سوال اب یہ ہے کہ نئی دہلی کے ساتھ گہری وفاداریاں دائمی بنائی جائیں۔

اسمبلی کے لئے کانڈات نامزدگی دائر ہونے سے پہلے مولانا محمد فاروق نے مجھے جنتا پارٹی کے منڈیٹ پر باندھی پورہ کی نشست سے انتخاب لڑنے کے لئے اصرار کیا۔ حالانکہ یہ میری آبائی جگہ تھی۔ اور یہاں مولوی صاحب کے حامی ووٹر نہیں تھے۔ میں کسی بھی قیمت پر کسی بھی ہندوستانی تنظیم کے منڈیٹ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا اس کے برعکس میں ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اترنے کو ترجیح دے سکتا تھا۔ لیکن حزب اختلاف کی حماقتوں کو دیکھ کر میں نے الیکشن نہ لڑنے بلکہ اس محفے سے سرے سے ہی الگ رہنے کا فیصلہ کر دیا۔

### شیخ محمد عبداللہ کی علالت

۱۳ جون کو خبر آئی کہ شیخ محمد عبداللہ پر عارضہ قلب کا حملہ ہوا ہے۔ خبر وادی میں آگ بن کر پھیل گئی۔ آل انڈیا میڈیکل انسٹیٹیوٹ کے دو خاص ڈاکٹر شیخ کا طبی معائنہ کرنے کے لئے مولانا آزاد روڈ نمبر ۱۰۰ پہنچے۔ ڈاکٹروں نے مریض کو مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ وادی میں ان کے چناؤ دورے کا پروگرام منسوخ ہو گیا اور الیکشن مہم کے سارے امور بیگم عبداللہ اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے سنبھال لئے۔ شیخ محمد عبداللہ کی علالت پر قیاس آرائیوں کے گھوڑے دوڑنے لگے اور یہ سوال الیکشن مہم کا سب سے بڑا افسانہ بن گیا۔ اس خبر سے میدان الیکشن کی صورت حال بدل گئی، اور نیشنل کانفرنس کی انتخابی مہم میں کانفرنس نے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہمارے شہر میں شیخ صاحب کی صحت یابی کے لئے دعائیہ جلوس و جلے منظم کر دیئے۔

جب ایک بار یہ لہر چل پڑی تو پھر اس کو روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ الیکشن قوانین کی رو سے کوئی امیدوار اپنی انتخابی مہم کے لئے مذہب، مذہبی مقامات، آستانے اور عبادت گاہیں استعمال نہیں کر سکتا۔ لیکن کسی کی صحت و عافیت کے لئے آستانوں اور عبادت گاہوں کو استعمال کرنا کسی قانون کی رو سے جرم نہ تھا۔ لہذا نیشنل کانفرنس نے دعائیہ جلسوں، جلوسوں کے لئے سڑکوں، کوچوں، آستانوں اور عبادت گاہوں کا خواب استعمال کیا۔ یہی نہیں بلکہ نیشنل کانفرنس نے اپنے قائد کی درازی عمر اور صحت یابی کے لئے جگہ جگہ بھیڑوں اور کمروں کو نذر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ان کا گوشت غریاء میں تقسیم کیا جانے لگا۔ شہر میں بھیڑوں اور کمروں کے ذبیحہ، نذر و نیاز کا سلسلہ بھی ہزاروں تک پہنچ گیا اور عام و خواص ووٹر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے علاوہ دعائیہ جلوسوں میں عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی آہ و دھن بھی رقت آمیز تھی۔ اس ہیجان انگیز صورت حال میں بستر علالت سے شیخ کی ایک تصویر ”آفتاب“ میں شائع ہوئی۔ تصویر بڑی اثر آفرین تھی، اور اس نے لوگوں کو اور زیادہ سیماب پا بنالیا۔ اور ریاست کے تمام علاقوں میں عبداللہ لہر اعجاز میں تبدیل ہو گئی۔ حتیٰ کہ ووٹ کا نام لئے بغیر ووٹ کی پرچی شیخ کا مقدر بن گئی۔ ان ہی حالات میں ریاستی جنتا پارٹی کی انتخابی مہم پر کشمیر آنے والوں میں وزیراعظم مرار جی ڈیساہی۔ وزیر داخلہ چرن سنگھ، وزیر دفاع جگ جیون رام اور وزیر تعمیرات سکندر بخت شامل تھے۔ ان لیڈروں کے دوروں نے کشمیر میں جنتا پارٹی کی پوزیشن کو اور زیادہ کمزور کر دیا کیونکہ انہیں کشمیر کی صورت حال اور رجحانات کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ وزیر داخلہ چرن سنگھ نے پولو گراؤنڈ کے جلسہ عام میں ضرور ایک حقیقت بیان کی یعنی انہوں نے اعلان کیا کہ کشمیر میں کرائے گئے گزشتہ تمام انتخابات فراڈ تھے۔ ان کے اس بیان کو کشمیر میں پسند کیا گیا، اور پہلی بار یہ تاثر ملا کہ ہندوستان میں ایسے لوگ بھی پائے جاسکتے ہیں جو وقت آنے پر مسئلہ کشمیر کی حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کے اس بیان سے اس بات کی تصدیق ہو رہی تھی کہ کشمیر کی تمام اسمبلیاں اور ان اسمبلیوں کے الحاق سے متعلق فیصلے اور اظہارات بھی باطل تھے۔ لیکن پولو گراؤنڈ اور کئی دوسرے مقامات پر وزیر دفاع جگ جیون رام کی طعنہ زنی نے لوگوں کو جنتا پارٹی کے خلاف اور زیادہ بھڑکا دیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں شیخ کی بیماری دل کی بات کو چھیڑ کر جس انداز میں انہیں سیاسیات سے ریٹائر ہونے کا مشورہ دیا وہ شیخ کے عقیدت

مندوں کو ہی نہیں بلکہ ان کے مخالفوں کو بھی برا لگا۔ یہ ان کی کشمیریت کے لئے ایک چیلنج تصور کیا گیا، اور وہ بے زار نظر آنے لگے۔ بارہ مولہ کے جلسہ عام میں جگ جیون رام نے سابق مشرقی پاکستان کی فتح کا حوالہ بھی دیا۔ جس نے لوگوں کو جنتا پارٹی سے اور زیادہ بدظن کر دیا۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے کیوں نہ سوچا کہ وہ کشمیر میں بول رہے ہیں نہ کہ دہلی یا کلکتہ میں، اور جلسے میں سامعین مقرر کے اشارے اور کنائے تک نوٹ کر لیتے ہیں۔ شاید مسٹر جگ جیون رام کو یہ خبر نہ تھی کہ تقسیم پاکستان اور سقوط ڈھاکہ کے واقعات سے کشمیریوں کے دل خون تھے وہ اس روز روئے تھے۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے گھروں میں کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا۔

جنتا کے مرکزی سرخیلوں کی کشمیر میں سرگرمیوں کو دیکھ کر کشمیریوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اکیلے شیخ محمد عبداللہ کشمیریت اور اسلامیت کے پاسبان ہیں۔ اسی لئے جنتا قیادت ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ سیدھے سادے کشمیری عوام نے یہ بھی سوچا کہ شاید شیخ محمد عبداللہ کے ذہن میں کشمیر کی آزادی کا کوئی منصوبہ ہو گا۔ کشمیر میں جنتا لیڈر شپ اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے والے عوام بھی کچھ عجیب قسم کی خوش فہمیوں اور خود فریبیوں کا شکار تھے۔ وہ ہوائی قلعے خود بھی بنا رہے تھے۔ اور دہلی سے آئے ہوئے اپنے مہمانوں کو بھی ہوائی قلعے بنانے پر مجبور کر کے غلط راہ پر ڈال رہے تھے۔ وزیراعظم ہند مرار جی ڈیساہی کشمیر کے دیہات کا الیکشن دورہ کر کے واپس سرینگر لائے۔ یہاں ۲۶ جون کو عوامی مجلس عمل کے سربراہ میر واعظ مولوی محمد فاروق نے وزیراعظم کو اپنے گھر مدعو کیا۔ میر واعظ محمد فاروق کے عقیدت مندوں نے وزیراعظم کا پرچوش خیر مقدم کیا۔ اور عورتوں نے روائتی کشمیری میں دنہ ون (گانا) گایا۔ وہ گیت یہ تھا:-

سبز دستار نبی چھوی راضی  
پاکستان غازی آدا

ترجمہ: سبز دستار یعنی پگڑی رسول اللہ (صلعم) کو پسند ہے۔۔۔ دیکھو پاکستان کا غازی آگیا۔

یہ لوگ سبز ہلالی پرچم تمام کر وزیراعظم کا عجیب و غریب استقبال کر رہے تھے۔ میر واعظ منزل کی دعوت کا حال دیکھ کر لوگ خاص کر دیہات کے عوام مولوی محمد فاروق سے اور زیادہ بے زار ہو گئے اور عبداللہ لہر اور بھی تند و تیز ہو گئی۔ آخر

جنتاپارٹی کے کشمیری لیڈروں کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وزیراعظم سے درخواست کی کہ کشمیر میں پولنگ کو چند روز کے لئے موخر کیا جائے۔ لیکن وزیراعظم ہند نے اس قسم کی درخواست کرنے والوں کو یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ میں ہندوستان کی جمہوریت کو یوں داغدار نہیں کرنا چاہتا۔ اگر شیخ عبداللہ جیت جاتے ہیں تو کیا ہو گا۔ مجھے دکھ ضرور ہو گا لیکن میں ان کی کامیابی کو روک نہیں سکتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ جو لوگ کشمیر میں انتخابات کا التواء چاہتے ہیں، وہ جاکر کسی دوسرے آدمی کو دلی میں میری جگہ بٹھائیں، پھر جو کچھ چاہیں کر لیں

### دو زبردست ریلیاں

۲۷ جون کو نیشنل کانفرنس کی یوتھ ونگ یوتھ فیڈریشن نے سرینگر میں ایک بھیاںک مظاہرہ کیا۔ جس میں ایک نوجوان کو میر واعظ مولوی محمد فاروق کے بھیس میں دکھایا گیا اور اس کے ہاتھ میں تسبیح رکھی گئی تھی۔ یہ نوجوان ایک گھوڑے پر سوار جلوس کے آگے آگے جا رہا تھا اور اس کے پیچھے ایک شخص اس کی مار پیٹ کرنے پر مقرر تھا۔ اور ۲۸ جون کو یوتھ فیڈریشن کے بے شمار کارکن گرفتار کر لئے گئے۔ ۳۰ جون کو مولوی محمد فاروق کی قیادت میں سرینگر میں جنتاپارٹی کے حامیوں کی زبردست جوانی ریلی ہوئی۔ جس میں مظاہرین نے شیخ محمد عبداللہ کی بیماری پر فقرے کسے اور تفحیک آمیز ڈرامے اور سوانگ پیش کئے۔ آخر میں شام کو پولو گراؤنڈ میں مولانا فاروق اور مولانا مسعودی نے ایک عظیم جلسے سے خطاب کیا اور ایڈمنسٹریشن کے کردار کو جانبدار قرار دیا۔

### شہر میں تصادم

جولائی کی پہلی تاریخ کو شہر کے اندرونی علاقوں میں، شیخ محمد عبداللہ اور مولوی محمد فاروق کے حامیوں میں زبردست تصادم ہوا۔ دکانیں بند ہو گئیں اور جامع مسجد مارکیٹ اور زینہ کدل میں متصادم گروپوں کو ہٹانے کے لئے پولیس نے اشک اور گیس کے گولے پھینکے۔ اسی دن سری نگر میں نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک اور زور دار مظاہرہ ہوا۔ جس میں کشمیر ہماری ماں ہے، اور شیخ صاحب ہمارے قائد ہیں۔ کے نعرے دیئے گئے۔ اور گول باغ میں ایک بہت بڑے جلسہ عام میں شیخ

عبداللہ کے بستر علالت سے ان کا ایک صدا بند پیغام سنایا گیا۔ جس نے سامعین پر بے خودی اور بے نیازی طاری کر دی۔ مریض رہنما کی دھیمی آواز پکار رہی تھی: لوگو! ۳ جولائی ۷۷ء کو ۱۳ جولائی ۳۱ء کے شہداء کو یاد رکھو، اور اس ناپاک گٹھ جوڑ اور گھٹاؤنی سازش کے نرغے کو توڑ دو، جو کشمیری غوام کے خلاف ہو رہا ہے۔ اس صدا بند پیغام کے بعد نیشنل کانفرنس کی کامیابی اور زیادہ یقینی ہو گئی۔

### کانفرنسیوں کا جشن فتح

۳ جولائی ایت وار کو وادی اور لداخ میں ۴۲ سینوں کے لئے پولنگ ہوئی۔ اور ۴ جولائی کو نیشنل کانفرنس کی زبردست کامیابی کا اعلان ہو گیا۔ اس نے طرب و ضرب کے مظاہرے جگہ جگہ منظم کئے ۵ جولائی کو سارے کشمیر میں نیشنل کانفرنسیوں کی طرف سے رقص و سرود اور مسرت و انبساط کے مظاہرے شروع ہو گئے جن میں مردوں، عورتوں کی الگ الگ یا مخلوط ٹولیوں نے بھرپور حصہ لیا۔ سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں سے بازاروں، مکانوں اور دکانوں سے جنتا کے جھنڈے غائب کر دیئے گئے۔ اور جگہ جگہ ہل والا پرچم لہرایا گیا امیر اکدل میں جنتا پارٹی کے اولین حامی کے، ایم ڈی کے دفتر پر بھی ہل والا پرچم لہرایا، اور ہیڈ کوارٹر پر این سی نواز ڈیڑھ یوروں کا قبضہ ہو گیا۔ ۵ جولائی کو ناقابل برداشت گرمی تھی۔ سورج اپنی پوری وقت اور حدت کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اسی حالت میں مردوں، عورتوں، لڑکوں، لڑکیوں کے ہڈی دل کہیں پیدل اور کہیں گاڑیوں، بسوں یا جیپ گاڑیوں کی چھتوں پر رقص میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ ایک بے لگام سماں تھا۔ جس میں کسی کو بھی گرمی کی شدت کا احساس نہ تھا۔ مولوی محمد فاروق اور مولانا مسعودی کے پتلے بنا کر ان کو بجلی کے کیمچوں پر لٹکا کر جلایا جاتا تھا۔ ایک جاس میں ایک نوجوان کو نقلی مولوی فاروق بنا دیا گیا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے رقص و سرور کا مخلوط منظر اور دوسری قسم کی ناشائستہ حرکتیں حیا سوز تھیں۔ یہ طوفان کئی روز تک اسی طرح چلتا رہا۔ راتیں بھی جشن طرب کا سماں پیش کر رہی تھیں۔ طرب و موسیقی کی محفلیں کئی کئی راتوں تک لگاتار جاری رہیں۔ رات کی سیاہی چھٹنے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد یہ محفلیں منقطع ہو جاتیں۔ مخالف لیڈروں کے خلاف گالم گلوچ کا شور سنائی دیتا اور انار کی کا دور دورہ نظر آتا۔ پولیس چپ چاپ تماشا دیکھ رہی تھی جنتاپارٹی کے

حامیوں کی دکانیں اور بازار بند تھے۔ اور وہ غیر محفوظ علاقوں سے بھاگ کر محفوظ علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ کیونکہ نہ صرف دن کے وقت بلکہ راتوں میں بھی پتھراؤ اور لوٹ مار کی وارداتیں دہرائی جاتی تھیں۔ جنتا پارٹی کے حامیوں نے صرف پیچھ گام میں مزاحمت کی۔ جو جنتا پارٹی کے شیعہ حامیوں کا گڑھ تھا۔ یہاں پتھراؤ کے بعد سری نگر سے بسوں کا آنا جانا معطل ہو گیا تھا۔ جولائی کو پولو گراؤنڈ میں نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک ریاست گیر عظیم اجتماع ہوا۔ یہ دوروزہ جشن مسرت کی اختتامی تقریب تھی جس میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ شیخ محمد عبداللہ اپنی بیماری کے بعد پہلی بار درشن عام کے لئے گول باغ آ گئے۔ اور دوئروں کا شکریہ ادا کیا۔ ۸ اگست کو شیخ محمد عبداللہ کے داماد نے الیکشن کے نتائج کو پاکستان نواز عناصر کی شکست قرار دیا۔

### نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے اسباب

نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے بعض اسباب خود جنتا پارٹی کی ریاستی لیڈر شپ نے فراہم کر دیئے۔۔۔۔۔ کانفرنس کی انتخابی مہم پارلیمانی انتخابات کے ختم ہوتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور اس کے کارکن دیہات میں جگہ جگہ گھوم کر ان پڑھ عوام سے قرآن پاک کے ذریعے حلف وفاداری لیتے رہے۔ انہوں نے دوئروں کے قریب جا کر ان کے ساتھ پرسنل کمپنیکٹ بڑھایا، اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ اسمبلی کا موجودہ الیکشن رائے شماری ہے۔ اور اس کے ذریعے عوام کی آزادی اور غلامی کا آخری تصفیہ ہو جائے گا۔

شیخ محمد عبداللہ کی بیماری کے بہانے کانفرنسیوں نے عبادت گاہوں اور زیارت گاہوں کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنالیا۔ اس بات کو خوب اچھالا گیا کہ جنتا پارٹی ایک غیر ریاستی تنظیم ہے۔ جس کی روح جن سنگھ ہے۔ اور عام کشمیری مسلمانوں میں جن سنگھ ایک قاتل اور غارت گر تنظیم کی حیثیت سے بہت ہی بدنام ہے۔

مولانا محمد فاروق اور جنتا پارٹی کے ملاپ نے مسئلہ الیکشن کو شیر بکرا سوال بنایا اور پرانی عصبیتیں اور عداوتیں عود کر آ گئیں۔ جنتا پارٹی کے ریاستی یونٹ میں اوپر سے لے کر نیچے تک رسہ کشی زوروں پر تھی۔ جب کہ نیشنل کانفرنس شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں متحد اور منظم تھی۔ نیشنل کانفرنس نے اپنے امیدوار وقت پر نامزد کر

دیئے۔ لیکن جنتا پارٹی اور جماعت اسلامی اپنے امیدواروں کو آخری وقت پر ہی نامزد کر سکے۔

پاکستان کے اندرونی حالات نے جماعت اسلامی کشمیر کو اور زیادہ کمزور کیا۔ اس کے خلاف پہلے ہی بداعتقاد جماعت ہونے کا پروپیگنڈا عام کیا گیا تھا۔ اور ان پڑھ عوام کے لئے یہ پروپیگنڈا کافی تھا۔ اس طرح جماعت کے امیدواروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔ نیشنل کانفرنس نے ریاست کے سارے مسلمان حصوں کو بتایا کہ کانفرنس بقول اس کے وہ واحد تنظیم ہے جو کشمیریت اور اسلامیت کو بچا سکتی ہے۔ اس طرح دوئروں کے لئے نیشنل کانفرنس کو کامیاب بنانے کے بغیر کوئی دوسرا چارہ کار نظر نہ آیا۔

## شیخ عبداللہ۔۔ الیکشن کے بعد

اب وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ ریاست کے سب سے طاقتور انسان تھے۔ اس لئے نہیں کہ انہیں دوسرے وزراء اعلیٰ کے مقابلے میں کچھ زیادہ فیصلہ کن اختیارات حاصل تھے اور وہ ہندوستان کے خلاف کوئی آئینی لڑائی لڑنے جا رہے تھے۔ اس وجہ سے کہ دہلی سے لے کر سری نگر تک ان کو ناکام بنانے کی کوشش کرنے والے خود شکست کھا گئے تھے۔ یہ ضروری تھا کہ شیخ محمد عبداللہ بیعت کرنے والے سیدھے سادے عوام کے جذبات کی ہاں میں ہاں ملائے اور مرکزی حکمرانوں کو بھی کچھ اشارہ دیتے۔ وزیر اعلیٰ ۱۲ اگست کو پہلی بار گاندربل تشریف لے گئے۔ یہاں انہوں نے ایک عوامی جلسے میں اپنی شعلہ بیانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اختیارات کو مرکز میں جمع کرنے کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ یہ بات انتخابات میں مسز اندرا گاندھی کی شکست سے ثابت ہو گئی ہے۔ جس نے تمام اختیارات مرکز میں جمع کر لئے تھے۔ کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے، اور اس میں سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہند اگر چاہتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ رہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم ڈنڈوں کے ذریعے اس کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

## نئی کشمیر اسمبلی میں کشمیر کا سوال

۱۲ اگست ۱۹۷۷ء میں نئی کشمیر اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ جس میں نیشنل کانفرنس ایک طاقتور جماعت کی حیثیت سے موجود تھی۔ جماعت اسلامی کے تمام اسمبلی سید علی گیلانی نے گورنر کے ایڈریس پر شکریہ کی تحریک پر بحث کے دوران ایوان کے قائد وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور اراکین قانون سازی کو مسئلہ کشمیر اور ہندوستان کے وعدہ حق خود ارادیت کی طرف تفصیل کے ساتھ متوجہ کیا اور آخر میں یاد دلایا کہ اب جس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی ہے۔ اسے عوام نے اسی اعتماد پر ووٹ دیئے ہیں کہ وہ ۱۹۷۷ء کی پوزیشن کو بحال کر کے ہندوستان کے ساتھ رشتے کی اس بنیاد کو از سر نو زندہ کرے گی۔ جس کی بنیاد پر ان کے ساتھ ریاست کا عارضی معاہدہ ہوا تھا۔ عارضی معاہدہ رائے شماری کے وعدے کے ساتھ مشروط تھا۔ اور جب یہ پوزیشن بحال ہو جائے گی۔

تو وہ شرائط بھی پھر سے زندہ ہو جائیں گی، جو عارضی معاہدہ کے وقت بھارت کے ساتھ طے کی گئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ آج نگاہیں شیخ صاحب اور ان کی پارلیمانی پارٹی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔۔۔

گیلانی صاحب کی تقریر کے دوران شیخ صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ ”نیشنل کانفرنس نے کبھی بھی ریاست کی خود مختاری کا نعرہ نہیں لگایا تھا“ اور ۱۹۷۷ء میں ہمارا موقف یہی تھا کہ خود عوام ہی اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو ہمارا موقف منظور نہ تھا، اور وہ براہ راست الحاق چاہتے تھے۔ ہمارا موقف حق خود ارادیت تھا۔ جس کا ہم کو موقعہ نہیں دیا گیا اور پاکستان نے ہم پر حملہ کیا۔ بعد میں جو حالات پیدا ہوئے ان سے سب واقف ہیں۔“

۱۳ ستمبر کو قانون ساز اسمبلی میں گورنر کے ایڈریس پر شکریہ کی تحریک پر بحث کا جواب دیتے ہوئے نائب وزیر اعلیٰ مرزا محمد افضل بیگ نے کہا کہ میں نے یقیناً اسلام آباد میں ۱۵ مئی ۱۹۷۷ء کو اپنی انتخابی مہم کے دوران کہا کہ موجودہ انتخابات اصلی رائے شماری ہیں اور وہ رائے شماری جس کا ذکر ہم لوگ پہلے کیا کرتے تھے اسی روزمرہ معنی، جس روز کشمیر اکاڑ ہوا۔ اور یقیناً حالیہ انتخابات ہی اصل رائے شماری تھے۔“

## آزاد کشمیر پر وزیر اعلیٰ کے خیالات

اب وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے آزاد کشمیر کو بھی اپنی گرفت میں لانے کی باتیں شروع کر دیں۔ اور ان دنوں نیشنل کانفرنس کے عام حلقوں میں بھی آزاد کشمیر پر چڑھائی اور اسے پاکستان کے ہاتھ سے نکلانے کی باتیں شروع ہو گئیں۔ عوام میں یہ افواہ اڑ رہی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں آزاد کشمیر پر حملہ کرنے کا پلان بن رہا ہے۔ بہر حال کشمیر اسمبلی میں شیخ محمد عبداللہ کے بیانات سے ان شبہات کو تقویت ملنے لگی۔ وزیر اعلیٰ نے ایک سوال کے جواب میں اسمبلی کو بتایا کہ جموں و کشمیر کے ایک حصے پر پاکستان کے تسلط سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں۔ ان سے ہمیں زبردست مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ معاملہ ریاستی سرکار، مرکزی سرکار اور خصوصاً وزارت خارجہ سے اٹھا رہی ہے۔ اور ہم انہیں درخواست کر رہے ہیں کہ اس مسئلہ کا کوئی حل ڈھونڈ نکالا جائے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر پر پاکستانی حملے کے وقت ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کا جو فیصلہ کیا گیا تھا۔ وہ صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جس

وقت جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تھا۔ ہماری فوجیں مظفر آباد اور کوٹلی تک پہنچ چکی تھیں اور اس اعلان سے وہ بھی حیران و ششدر رہ گئیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ۱۹۴۷ء میں جنگ بندی کا فیصلہ نہ کیا گیا ہوتا تو ہم نے ریاست کے تمام علاقوں کو پاکستان کے قبضے سے آزاد کر لیا ہوتا، اور آج ہمیں مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا نہیں پڑتا جنگ بندی کی وجہ سے ہمیں نہ صرف اپنی پیش قدمی روکنی پڑی بلکہ اور بھی کچھ علاقوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں مرکزی لیڈروں کی نیک نیتی پر کوئی شبہ ہے۔ بلکہ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اگر جنگ بندی کی غلطی نہ کی گئی ہوتی تو آج ہمیں مسائل کا سامنا نہ ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت تک ہمارے لئے مشکلات پیدا ہوتی رہیں گی جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس وقت ہمارے سامنے دو راستے ہیں ایک یہ کہ پاکستان کے زیر قبضہ علاقے پر اپنا دعویٰ ترک کریں۔ اور موجودہ صورتحال کو تسلیم کر لیں۔ دوسرا یہ کہ ہم ریاست کی اسی حیثیت اور صورتحال کو بحال کرانے پر زور دیں۔ جو اگست ۱۹۴۷ء میں تھی، اور پاکستان سے مذاکرات شروع کریں۔ جو کچھ بھی کرنا ہو گا۔ مسئلہ کو ہر صورت میں طے کیا جانا چاہئے۔“

### مرکز کو وزیر اعلیٰ کا مراسلہ

۱۳ دسمبر کو اخباری اطلاع میں کہا گیا کہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے مرکزی حکومت کو ایک مراسلہ بھیج دیا ہے۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ جموں و کشمیر کے ”آزاد کشمیر“ حصے کو کسی مزید تاخیر کے بغیر پاکستان کے قبضے سے آزاد کر دیا جائے۔ روزنامہ ”اسٹیمین“ نئی دہلی نے یہ خبر دیتے ہوئے اشارہ دیا کہ اس سلسلے میں شیخ محمد عبداللہ امریکہ کی طرف سے مداخلت کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ امریکہ آزاد کشمیر خالی کرانے کے لئے پاکستان پر دباؤ ڈالے۔ خط میں تحریر کیا گیا ہے کہ موجودہ کنٹرول لائن ایک غیر قدرتی لائن ہے۔ جس سے بہت سارے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف سے روزنامہ ”انڈین ایکسپریس“ کے کلڈیپ نیئر نے ۲۶ جنوری کے ایکسپریس میں مسٹر واجپائی کے دورہ اسلام آباد کے پس منظر میں مشورہ دیا کہ ”پاکستان کو کشمیر کے اس علاقے کے بارے میں جو اس کے قبضے میں ہے۔ مکمل یقین دہانی کی جانی چاہئے کیونکہ آزاد کشمیر کے مستقبل کے سوال پر شیخ محمد عبداللہ کے حالیہ بیانات کی وجہ سے اسلام آباد میں شکوک پیدا ہوئے ہوں گے۔ جن میں انہوں نے

آزاد کشمیر کو ہند کا حصہ بنانے کے لئے کہا ہے۔ کلڈیپ نیئر نے لکھا کہ شیخ محمد عبداللہ کو محسوس کر لینا چاہئے کہ آزاد کشمیر کو آزاد کرانے کے لئے انڈیا کو جو جنگ لڑنی ہو گی اس کے وسیع اثرات نکلیں گے۔ کیونکہ بہت ساری طاقتیں اس حصہ کو پاکستان کا حصہ تصور کرتی ہیں۔ تین سال قبل شاہ ایران نے ایک انٹرویو دیتے ہوئے مجھے کہا تھا کہ اگر ہند نے کوئی ایسا خطرہ مول لیا جس کا آئینی اور قانونی جواز ہے۔ تب بھی انڈیا بقیہ دنیا سے الگ ہو جائے گا۔ اور ایک مردہ سوال پھر سے زندہ ہو جائے گا۔ انہوں نے لکھا کہ ۱۹۴۷ء میں جنگ بندی کے سوال پر ڈیفنس منسٹری کی ایک غیر مطبوعہ کتاب ”جنگ کشمیر کی کہانی۔۔۔“ میں کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستانی افواج آگے بڑھتیں تو وہ غیر ضروری آویزش اور ناچاقی میں پھنس جاتیں وہ جغرافیائی اور فوجی نکتہ نگاہ سے ایک ایسے خطہ زمین میں بند ہو جاتیں۔ جہاں کے لوگ اور جغرافیہ ان کے لئے ناسازگار تھے۔“

جب وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو اس بات کا احساس دلایا گیا کہ آزاد کشمیر کو واپس لینے کی کوششیں منگنی ثابت ہوں گی، اور اس کے عواقب بڑے خطرناک ہوں گے۔ اس کے علاوہ جب پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق چین کے دورے پر گئے اور چین اور پاکستان کے لیڈروں نے مسئلہ کشمیر پر اپنے موقف کا اعادہ کیا، تو وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے بھی تنازعہ کشمیر پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر کا تذکرہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک یہ حل نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت پاکستان اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے اور خاموش ہے لیکن کل یہ مسئلہ ضرور اٹھ کھڑا ہو گا۔ ہند اور پاکستان کے درمیان کئی مسائل حل طلب ہیں کشمیر ان میں سے ایک ہے۔ دونوں ملکوں کو چاہئے کہ اس مسئلے کو آپسی بات چیت کے ذریعے حل کریں، اور کشمیری عوام کو کسی ایسی بات چیت میں شامل کرنا ضروری ہے کیونکہ بنیادی طور پر مسئلہ ہمارا ہی ہے۔“

چندی گڑھ میں وزیر اعلیٰ نے ایک دوسرے انداز میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں میں مسئلہ کشمیر زندہ ہے۔ اور عالمی ادارہ جب چاہے اس مسئلے کو اٹھا سکتا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ہند کے ساتھ کشمیر کا الحاق حتمی اور اٹل ہے۔ لیکن یہ سمجھ لیا جانا چاہئے کہ کشمیر کے کسی حصے نے نہیں بلکہ پوری ریاست نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہے اور پاکستان آزاد کشمیر پر ناجائز قبضہ جمائے ہوئے ہے۔



پبلک سیفٹی آرڈیننس کے نفاذ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیر ایک سرحدی ریاست ہے، جہاں کئی اہم دفاعی تنصیبات ہیں، اور ہم ان تنصیبات کو خطرے میں ڈال کر ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا نہیں کر سکتے۔“

جوں میں ایک پریس کانفرنس میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ سے ان کے اس بیان پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا کہ کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر وعدے کئے گئے ہیں لیکن ان وعدوں کو پورا نہیں کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہند اور پاکستان نے اس مسئلہ کو آپسی بات چیت کے ذریعے حل کر لینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور معاہدہ شملہ کے وقت دونوں ملکوں نے اس امر سے اتفاق کر لیا تھا کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات معمول پر آنے کے بعد اس مسئلے پر گفت و شنید کی جائے گی پاکستان کا خیال ہے کہ اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کا وقت آگیا ہے لیکن ہند کو اس بات سے اتفاق نہیں اور اس کا خیال ہے کہ تعلقات معمول پر آنے کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ جب ایک اخباری نمائندے نے وزیر اعلیٰ سے کہا کہ بین الاقوامی وعدوں کو کچھ لوگ رائے شاری سمجھتے ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک وقت کشمیر میں رائے شاری کرانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر رائے شاری نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ہند اور پاکستان نے اس مسئلے کو باہمی بات چیت سے حل کرنے کا وعدہ کیا اور اب اس نئے وعدے نے پرانے وعدے کی جگہ لے لی ہے۔“

۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی حکومت کا ایک سال پورا ہونے پر ایک اخباری کانفرنس بلائی جس میں انہوں نے ایک بار پھر مسئلہ کشمیر کا ذکر کیا اور اس تنازعہ کو حل کرنے کے لئے مسئلہ پر ایک بین الاقوامی معاہدہ کی ضرورت پر زور دیا۔ ایک سوال کے جواب میں وزیر اعلیٰ نے کہا کہ جب تک ہند اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ حل نہیں ہوتا اس وقت تک ہم اپنے آپ کو بیرونی خطرات سے محفوظ تصور نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان برابر کشمیر پر اپنا حق جتلا رہا ہے اور ابھی کل ہی جنرل ضیاء الحق نے کراچی میں اسلامی کانفرنس کی شروعات کشمیر کے ذکر سے کیں۔ عبداللہ نے کہا کہ ہند اور پاکستان شملہ میں اور بعد میں بھی کئی بار اس مسئلہ کو باہمی گفت و شنید سے حل کرنے کے ارادوں کا اظہار کر چکے ہیں اور پاکستان برابر اس کے ایک حصے پر ناجائز تسلط برقرار رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۷ء میں یہاں کی جس سب سے بڑی جماعت نے ہند سے ریاست کے الحاق کی

حمایت کی تھی پچھلے سال کے انتخابات میں ہماری فتح سے واضح ہو جاتا ہے کہ ریاستی عوام اس فیصلے سے مطمئن ہیں لیکن پاکستان برابر اس مسئلے کا ذکر کر رہا ہے اس لئے ہمیں اس وقت تک خطرات سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ کشمیر پر ایک بین الاقوامی معاہدہ نہیں ہوتا۔ تنازعہ تو آپس میں بات چیت کے ذریعے حل کیا جانا چاہئے۔ اور اس پر یو۔ این۔ او کی مہر بھی لگنی چاہئے۔ آخر معاہدہ شملہ میں بھی کشمیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں کیا کروں۔ اگر آپ کے مندر شملہ میں معاہدہ کرتے ہیں، اور اس میں کشمیر کا مسئلہ کیوں آتا ہے؟ شاہراہ قراقرم اور چین پاکستان دوستی پر ایک سوال کے جواب میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ آپ دانشمند ہیں خود سوچئے۔ ان چیزوں کو آپ نظر انداز نہ کریں۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو“

## پنجاب کی انتخابات

سال ہا سال کے انتظار اور التواء کے بعد آخر ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو کشمیر میں پنجاب کی انتخابات کرائے گئے، اور گاؤں گاؤں میدان کار زار گرم ہو گیا۔ نیشنل کانفرنس اور اس کے مخالفوں کے درمیان اس روز گاؤں گاؤں، لائیوں، کلباڑیوں اور پتھروں کا آزادانہ استعمال ہوا جس میں بہت سارے لوگ زخمی ہو گئے، اور ایک آدمی اپنی جان سے بھی محروم ہو گیا نیشنل کانفرنس کو اسمبلی انتخابات کے بعد پہلی بار گاؤں گاؤں زبردست اور جارحانہ مخالفت کا سامنا ہوا، اور پہلی بار ووٹروں نے یہ تاثر دیا کہ اب عبداللہ لہر میں وہ پہلا سا زور و شور باقی نہیں ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ پنجاب کی انتخابات خفیہ بلیٹ سسٹم کی بنیاد پر نہیں بلکہ قدیم کھلے اور غیر منصفانہ طریقے پر کئے گئے حکومت کے مخالفوں نے پولنگ بوتھوں پر کافی دباؤ ڈالنے کی کوششیں کیں۔ تاہم سرکاری ایڈمنسٹریشن اور پولنگ عملے کی دھاندلیوں کی وجہ سے بہت سارے مخالف امیدوار ہار گئے۔ ان انتخابات کے بعد دیہات میں گھریلو اور خاندانی جھگڑے شروع ہو گئے، اور حکمران پارٹیوں اور مخالف پارٹیوں کے کارکنوں نے رشتوں میں ایک دوسرے کی بہنوں پر اس ساری ہنگامہ آرائی کا نزلہ گرایا۔ رشتوں میں سیاسی رقابتیں علیحدگی اور ترک مواصلات تک پہنچ گئیں۔ ان انتخابات میں نیشنل کانفرنس، جماعت اسلامی، جنتا پارٹی اور کانگریس نے حصہ لیا۔ نیشنل کانفرنس کے بعض ناراض امیدواروں نے آزاد حیثیت میں طالع آزمائی کی۔

## پبلک سیفٹی آرڈی ننس

کشمیری عوام کے بنیادی جمہوری حقوق اور شہری آزادیوں کو پامال کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کے زمانے میں جو پہلا فرمان جاری ہو گیا، وہ پبلک سیفٹی آرڈیننس تھا۔ اس فرمان کی رو سے حکومت جموں و کشمیر نے ریاست کی سلامتی اور امن عامہ قائم کرنے کے بہانے اخبارات اور دیگر مطبوعات پر پابندیاں عائد کرنے اور لوگوں کو نظر بند کرنے کے لئے وسیع اختیارات سنبھال لئے۔ اسے گورنر ایل کے جہانے ریاستی آئین کی دفعہ ۹۱ کے تحت جاری کر دیا۔ یہ فرمان ۲۹ اکتوبر کے غیر معمولی گزٹ میں شائع ہوا تھا اور نافذ العمل ہو گیا۔ گزٹ نوٹیفیکیشن میں اس کا نام جموں و کشمیر پبلک سیفٹی آرڈیننس ۱۹۷۷ء رکھا گیا ہے۔ اس فرمان کے ذریعے حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو اس کی نظر بندی کے وجوہات بتائے بغیر نظر بند کر سکتی ہے بشرطیکہ ان امور کا افشا کرنا مفاد عامہ میں خیال نہیں کیا گیا ہو نظر بند کو اس کا کیس کسی مشاورتی بورڈ کے سامنے رکھے بغیر دو سال تک نظر بند رکھا جائے گا۔ پہلے نظر بندی حکم کی میعاد گزر جانے یا منسوخ کئے جانے کے بعد دوسرے نظر بندی حکم کے اجراء پر کوئی روک نہیں ہے۔ یہ فرمان ریاست کے اندر شائع ہونے والے اخبارات کو بند کر سکتا ہے۔ اور بیرون ریاست سے آنے والے اخبارات کا داخلہ روک سکتا ہے۔ اگر سرکار یہ محسوس کرے کہ ان اخبارات میں شائع شدہ مواد ریاست کی سلامتی اور امن عامہ کے لئے ضرر رساں ہے۔ یہ فرمان ریاست کے ممنوعہ علاقوں میں کسی شخص کے بلا پر مٹ داخلے یا ممنوعہ علاقے کے ارد گرد گھومنے کو بھی خلاف قانون قرار دیتا ہے۔ کوئی بھی پولیس افسر یا سرکار کی طرف سے کوئی بااختیار شخص، کسی بھی آدمی کو ایسے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے، وہاں موجود ہونے یا وہاں سے روانہ ہونے پر تلاشی لے سکتا ہے اس قسم کی تلاشی کے لئے کسی شخص یا موٹر گاڑی یا ہوائی جہاز کو روکا جاسکے گا۔ اس دفعہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دو ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔ اس فرمان کی رو سے اگر حکومت ضروری محسوس کرے یا قرین مصلحت خیال کرے تو وہ ایک حکم کے ذریعے کسی بھی

شخص کے کسی خاص علاقے میں داخلے کو ممنوع قرار دے گی۔ خلاف ورزی کرنے والے کو تین ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔ اس فرمان کی رو سے حکومت ایک عام یا خاص حکم کے ذریعے کسی علاقے میں کسی فوجی نوعیت کی مشق یا نقل و حرکت کو ممنوع قرار دے سکتی ہے یا اس کو محدود کر سکتی ہے، وہ کوئی کیمپ، پریڈ یا میٹنگ منعقد کرنے یا اس میں حصہ لینے کو ممنوع کر سکتی ہے۔ یا محدود کر سکتی ہے یا اس پر شرط عائد کر سکتی ہے۔ اس دفعہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو چھ ماہ قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔ ایک اور دفعہ کا تعلق کرفیو آرڈر کے نفاذ سے ہے، اور کرفیو آرڈر کی خلاف ورزی کرنے والے کو چھ ماہ قید تک سزا دی جاسکے گی اس آرڈی ننس کے تحت اگر کسی شخص کو ضرر رساں کارروائی کرنے کا قصور وار ٹھہرایا گیا تو اسے دو سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔ قابل اعتراض خبروں کی اشاعت پر کنٹرول کرنے سے متعلق دفعہ کی رو سے اگر حکومت کی رائے میں کوئی دستاویز جو آرڈی ننس سے پہلے یا بعد میں چھاپی گئی ہو یا شائع کی گئی ہو، کوئی ضرر رساں خبر شامل رکھتی ہو، تو حکومت ریاست کی سلامتی کے مفاد اور امن عامہ کے قیام کی خاطر یہ حکم دے سکتی ہے کہ ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر یا وہ شخص جس کے قبضے میں ایسی دستاویز ہو، اس حکم میں مقررہ اتھارٹی کو ایسے شخص کے نام اور پتہ کے بارے میں مطلع کرے جو ایسی خبر دینے سے تعلق رکھتا ہو۔ ایسی دستاویز اور اس کی نقل مقررہ اتھارٹی کے سپرد کرنے اور ایسی دستاویز اور اس کی ہر کاپی کو بہ حق سرکار ضبط کرنے کا حکم بھی دے سکتی ہے لفظ دستاویز میں گراما فون ریکارڈ، ساؤنڈ ٹریک اور دیگر کوئی چیز جس میں آواز کو بعد میں سنانے کے لئے ریکارڈ کیا گیا ہو، شامل ہے۔

نیشنل کانفرنس کی حکومت کے اس آرڈیننس کے خلاف ریاست کی اپوزیشن پارٹیوں کے علاوہ غیر ریاستی مرکزی تنظیموں نے بھی سخت احتجاج کیا اور اسے ایک جاہلانہ قانون اور بلا اعلان ایمر جنسی سے تعبیر کیا۔ وادی کو اس نے خوف زدہ اور دہشت زدہ کر دیا۔ کانفرنسیوں نے وادی کے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے دعویٰ کیا کہ یہ فرمان جموں کے انتہاپسندوں سے نپٹنے کے لئے ہے اور جموں کے عوام سے کہا کہ یہ پاکستان سے نمٹنے کی خاطر ہے۔ آخر ۱۵ نومبر کو ریاستی حکومت نے ایک قرطاس ابیض جاری کیا۔ جس میں کہا گیا کہ جموں و کشمیر ایک سرحدی ریاست ہے۔ جس کے کئی علاقے بیرونی ملکوں کے قبضے میں ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ریاست کی سلامتی اور

امن وقانون کے لئے ایسے مسائل کا سامنا ہے۔ جو ملک کی کئی دوسری ریاستوں کو درپیش نہیں ہیں۔ ہماری سرحدوں کے علاوہ بعض بیرونی طاقتیں اور ان کی شہ پر کئی اندرونی عناصر وقتاً فوقتاً "امن عامہ کو درہم برہم کرنے اور ریاست کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

### جموں میں احتجاج

پبلک سیفٹی آرڈیننس کے خلاف سب سے زیادہ موثر احتجاج جموں میں ہوا، یہاں مختلف پارٹیوں کی لوک سنگھوش سستی قائم کی گئی۔ جس نے جموں شہر میں مظاہرے کرائے۔ ۲۷ نومبر کو سستی نے ایک زبردست مظاہرہ کیا۔ اس روز وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اپنے وزراء کے ہمراہ الیکشن کے بعد پہلی بار جموں تشریف لائے اور ان کے بازاروں سے گزرنے کے موقع پر پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس موقع پر سستی اور کانفرنسیوں میں زبردست تصادم ہوا۔ جس میں پتھر چلے اور ایک دوسرے کے خلاف لathiچارج استعمال ہوئیں۔ کئی اشخاص جن میں وزیر خوراک غلام محمد شاہ بھی شامل تھے۔ زخمی ہو گئے۔ ایک اور اطلاع کے مطابق شیخ عبداللہ کی انگلی کو بھی چوٹ آئی۔ ۱۹۷۸ء میں چند ترمیموں کے بعد کشمیر اسمبلی نے اسے پاس کر دیا۔ اور اب یہ پبلک سیفٹی ایکٹ کی شکل میں ریاست پر لاگو ہے۔

### ہندوپاک مذاکرات

۱۹۷۸ء کے اوائل میں ہندوستان اور پاکستان کی قیادتوں نے ایک دوسرے کے قریب آکر اپنے تمام تنازعات طے کرنے کے لئے کئی اقدامات کئے۔ دوستی اور اعتماد کو بحال کرنے کے لئے ہند کے وزیر خارجہ اٹل بھاری باجپائی پاکستان تشریف لے گئے، اور انہوں نے پاکستان کے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق سے تقریباً "ساڑھے چار گھنٹے تک بات چیت کی، اس بات چیت پر مسئلہ کشمیر چھایا رہا۔ اس بات چیت پر رائے زنی کرتے ہوئے باجپائی نے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات معمول پر آنے کے بعد مسئلہ کشمیر پر قطعی تصفیہ ہو جائیگا۔ اسلام آباد میں ایک اخباری کانفرنس میں انہوں نے کہا کہ دونوں ملکوں نے معاہدہ شملہ میں اس مسئلے کو حل کرنے کا عہد کیا ہے۔ اور جتنا حکومت معاہدہ شملہ سمیت دونوں ملکوں کے درمیان تمام دوسرے معاہدات کی پابند ہے۔ انہوں نے کہا کہ مذاکرات کے دوران پاکستان نے شملہ معاہدے کی روشنی میں مسئلہ کشمیر اٹھایا، اور ہم نے نہایت دوستانہ ماحول میں اس پر بھی بات چیت کی لیکن میرے مختصر دورے میں تیس برس سے لٹکتے ہوئے اس مسئلہ پر تصفیہ ہونے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ مشرباجپائی نے کہا کہ ہندوپاک تعلقات معمول پر آنے کے بعد مسئلہ کشمیر پر حتمی فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

اس کے چند روز بعد پاکستان کے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات معمول پر لانے کے لئے مسئلہ کشمیر کا حل کرنا ضروری ہے۔ امریکی اخبار نویسوں کے ایک گروپ کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہند اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کا عمل جاری ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں دوسرے امور کے ساتھ ساتھ مسئلہ کشمیر کا حل کرنا بھی ضروری ہے۔ پاکستان گزشتہ تیس برس سے یہ کوشش کر رہا ہے کہ اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کی ان قرار دادوں کے مطابق حل کیا جائے جن میں کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۲ اپریل ۱۹۷۸ء کو دریائے چناب پر زیر تعمیر سلال پروجیکٹ پر معاہدہ ہونے کے بعد آغا شاہی وزیر خارجہ پاکستان نے نئی دہلی کی پریس کانفرنس کو بتایا کہ مجھے یقین ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان صرف ایک ہی تنازعہ حل ہونا باقی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شملہ معاہدہ کے تحت ہندو پاکستان کے درمیان کشمیر کا مسئلہ جلد از جلد حل ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس علاقے میں حقیقی امن و استحکام اور تعاون کی فضا قائم نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلہ پر اعلیٰ سطح پر بات چیت ہوگی۔ جس پر دونوں فریق متفق ہو گئے ہیں۔

## امریکہ عبد اللہ خفیہ مذاکرات راک فیلر اور شیخ عبد اللہ

اپریل ۱۹۷۸ء کے اواخر میں نیویارک کے گورنر مسٹر راک فیلر کشمیر تشریف لائے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبد اللہ سے بھی ملاقات کی۔ ملاقات کیا ہوئی، اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا گیا۔ لیکن کمیونسٹوں نے اس ملاقات کو قابل اعتراض قرار دے کر اس پر سخت دایلا کرنا شروع کیا۔ انہوں نے راک فیلر کے دورہ کشمیر اور شیخ عبد اللہ کے ساتھ ان کی بات چیت کو سوویت روس کے خلاف اور کشمیر کو تقسیم کرنے کی ایک سازش قرار دیا۔ یہاں تک کہ کمیونسٹ ایم پی بھوپیش گپتا نے راجیہ سبھا میں بتایا کہ شیخ محمد عبد اللہ سے اس ملاقات پر وضاحت لی جانی چاہئے گپتا نے کہا کہ امریکہ برصغیر سے روس کا اثر و رسوخ مٹانے کے لئے ہند اور پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتا ہے اور راک فیلر اور ان کی ٹیم کشمیر کے تنازعے کو حل کرنے کے لئے ہند پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ راک فیلر کا مشن یہ ہے کہ ہند میں امریکہ کی لابی قائم کی جائے۔ جو امریکی نکتہ نظر کی تائید و حمایت کرے۔ انہوں نے مانگ کی کہ حکومت کو کشمیر کے بارے میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرنی چاہئے۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ۱۹۵۰ء کے ان خفیہ مذاکرات کو ۲۸ سال بعد منظر عام پر لایا جو اس وقت کے وزیر اعظم شیخ محمد عبد اللہ اور ہند میں مقیم امریکی سفیر کے درمیان خفیہ طور پر ہوئے تھے۔

۱۹۵۰ء میں وزیر اعظم شیخ محمد عبد اللہ اور امریکی حکومت کے درمیان کچھ خفیہ مذاکرات ہوئے تھے۔ یہ راز دارانہ گفت و شنید خود انجمنی وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے ساتھ بھی جاری تھی۔ اس بھید کا انکشاف خود امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے جولائی ۱۹۷۸ء میں ۲۸ سال کے بعد کیا۔ جب کہ وہ ۱۹۵۰ء کے کانفرنس کی ترتیب نو کر رہے تھے۔ ان انکشافات کی رو سے بھارت میں مقیم تب کے سفیر مسٹر لائے ہینڈرسن نے ۲۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کی دوپہر کو امریکہ کے سیکرٹری آف اسٹیٹ کو مندرجہ ذیل برقی

معلومات ارسال کیں۔

”کشمیر میں اپنے قیام کے درمیان میں نے وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کی استدعا پر ان کے ساتھ دو خفیہ مذاکرے کئے۔ مذاکرات کے دوران میں انہوں نے بظاہر بے تکلفی کے ساتھ میرے ساتھ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنے کچھ مسائل اور نظریات زیر بحث لائے انہوں نے قابل غور اصرار کے ساتھ وہ سب کمائیاں مسترد کیں کہ وہ کمیونسٹ نواز، سوویت روس نواز مغرب مخالف یا امریکہ مخالف ہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ان کی کابینہ میں دو کمیونسٹ ہیں۔ لیکن حالیہ انتخابات میں انہیں شکست ملی، جس کی وجہ سے مجھے ان کے لئے متبادل حلقوں کا بندوبست کرنا پڑا تھا۔ فی الوقت میں ان کمیونسٹوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی طاقت میں نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ اس طرح نیشنل کانفرنس کے مخالف ہو جائیں گے۔ جس طرح چینی کمیونسٹ کو متنازع کے مخالف بنے تھے مسئلہ کشمیر حل ہونے تک مجھے ان کے ساتھ چلنا ہوگا۔ مجھے مجبوراً بعض بڑی جاگیرداریاں بلا معاوضہ ختم کر دینی پڑیں۔ بجائے اس کے کہ میں کمیونسٹوں کو اس کارڈیٹ لینے کا موقعہ دیتا۔ میں کمیونزم کے خطرے سے ناواقف نہیں ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ بہترین ہے۔ ذاتی طور پر مجھے کشمیر کے اقتصادی مستقبل کے بارے میں کوئی امید نہیں ہے چاہے یہ ہند کے ساتھ رہے یا پاکستان میں شامل ہو، یا خود مختار رہے۔ جب تک نہ اس کو امریکہ کی دوستی اور اقتصادی تعاون حاصل ہو..... کشمیر کے مستقبل کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے زور دار طریقے پر تکرار کیا کہ میری رائے میں یہ یقین کرنے کے لئے وجوہات موجود ہیں کہ آزاد کشمیر کے بعض لیڈر بھی خود مختاری کے خواہاں ہیں۔ اور اس سلسلے میں اپنا تعاون نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو دینے پر آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ کسی مناسب موقع سے پتہ چلے کہ اس قسم کا تعاون خود مختاری کے حصول پر ختم ہو۔۔۔۔ کشمیری عوام یہ نہیں سمجھ سکے کہ آخر اقوام متحدہ نے کشمیر کو خود مختار رکھنے کا امکانی حل کیوں لگاتار نظر انداز کیا۔ جب کہ اس نے فلسطین کو خود مختار قرار دینے کے لئے ایک اسپیشل اسمبلی منعقد کی۔ حالانکہ فلسطین رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے کم تر اور اقتصادی اعتبار سے کشمیر کے مقابلے میں بہت پیچھے ہے۔ کشمیری عوام کی اپنی ایک زبان اور اپنا ایک کلچرل پس منظر ہے۔ کشمیر کے ہندو رواج اور روایات کے لحاظ سے بھارتی ہندوؤں سے کافی مختلف

ہیں، اور یہاں کے مسلمانوں کا انداز فکر اور پس منظر پاکستانی مسلمانوں سے مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہندو اقلیت کی موجودگی کے باوجود کشمیر کی آبادی ہم نسل ہے۔ جب میں نے شیخ عبداللہ سے دریافت کیا کہ کیا کشمیر ہند اور پاکستان کی دوستانہ حمایت کے بغیر ایک مضبوط خود مختار ملک بن سکتا ہے۔ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ شیخ عبداللہ کی رائے میں ایک خود مختار کشمیر صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے۔ جب اسے ہند اور پاکستان دونوں کی دوستی حاصل ہو، ہند اور پاکستان خود بھی آپس میں دوست بن کر رہیں اور امریکہ، اقوام متحدہ کے ذریعے یا براہ راست اپنی سرمایہ کاری یا اقتصادی امداد کے ذریعے کشمیر کو اپنے شان دار ذرائع پیداوار میں ترقی دلانے کے قابل بنائے۔ ہندوستان کے ساتھ رہ کر آنے والے زمانے میں کشمیری عوام کی خستہ حالی، خوشحالی میں بدل نہیں جائے گی۔ ہندوستان میں اتنے زیادہ علاقے فوری معاشی ترقی کے محتاج ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ کشمیر کو مقابلہ بہت کم توجہ مل جائے گی۔ پھر بھی ترجیحی لحاظ سے کشمیر کو ہندوستان میں رہنا چاہیے نہ کہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہئے۔ کیونکہ فرسودہ قرآنی نکتہ نظر رکھنے والی حکومت کے تسلط میں جانا کشمیر کے لئے تباہ کن ثابت ہو گا۔“

## شملہ مذاکرات اور سمجھوتہ

پاکستان کی اپوزیشن جماعتوں کا پہلے ہی یہ الزام تھا کہ ۱۹۷۲ء کے ہند پاک شملہ مذاکرات میں مسٹر بھٹو اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان کوئی خفیہ مفاہمت ہوئی ہے۔ مسٹر بھٹو نے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کے الزامات کو غلط بتایا تھا۔ لیکن اپریل ۱۹۷۸ء میں اس الزام میں ایک سنجیدہ عنصر داخل ہو گیا جب ہندوستان کے وزیر خارجہ اٹلی ہماری واجپائی نے سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی پر یہی الزام عاید کیا۔ کہ اس نے شملہ میں بھٹو کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا۔ واجپائی نے دعویٰ کیا کہ شملہ دستاویزات کا مکمل مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں۔ ہندوستان کے وزیر خارجہ کے بیان سے بھارت اور پاکستان کے سیاسی اور صحافتی حلقے چونک اٹھے اور پاکستان و ہندوستان دونوں جگہ اخبارات نے اس پر حاشیہ آرائی شروع کی۔ ہندوستان میں سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اس کی تردید کی۔ لیکن سرکردہ کالم نویس کلڈیپ نیر نے ”انڈین ایکسپریس“ مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء میں ”کیا ایک خفیہ پیکیٹ ہوا تھا۔۔۔؟“ کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا۔ جس کا اردو ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے:-

”یہ وقت ہی بتائے گا کہ کیا ۱۹۷۲ء کے شملہ چوٹی مذاکرات میں اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مسئلہ کشمیر پر کوئی خفیہ معاہدہ ہوا تھا یا مفاہمت ہوئی تھی اگر انڈر سٹیڈنگ یہ تھی کہ دونوں نے یہ بات تسلیم کی تھی کہ کشمیر کی موجودہ جنگ بندی لائن ہند اور پاکستان کے درمیان تقسیم کی مستقل لائن قرار ہو تو اس سلسلے میں یہ یقین کرنے کے لئے وجوہات موجود ہیں کہ اس جیسا کچھ نہ کچھ واقعہ ہوا ہو گا۔“

”مجھے یاد ہے کہ جب میں نے شملہ کانفرنس سے چار ماہ پہلے ۲۵ مارچ ۱۹۷۲ء کو راولپنڈی میں مسٹر بھٹو سے ایک انٹرویو لیا، تو ان کا ذہن کشمیر کو سرحد کرنے کی جانب کام کر رہا تھا۔ انٹرویو جو ٹیپ ریکارڈ کیا گیا تھا، میں مسٹر بھٹو نے کہا ”آج میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ تم اپنی پوزیشن مانو اور ہم اپنی پوزیشن مانیں۔ تم اپنی یہ

پوزیشن قائم رکھو کہ کشمیر ہند کا اٹوٹ حصہ ہے ان دو پوزیشنوں کے درمیان مسئلہ کو سرحد کرنے اور تناؤ کو گھٹانے کے لئے کافی جگہ موجود ہے۔“

اس کے بعد مسٹر بھٹو نے تجویز کی

”ہم جنگ بندی لائن کو امن کی لائن بنا سکتے ہیں۔ کشمیر کے لوگ دو ملکوں کے درمیان آزادی کے ساتھ گھومیں۔ ایک بات کے وقوع میں آنے کے بعد دوسری بات واقع ہو گی، کیوں میرے یا مسز گاندھی ہی کا مقدر ہو کہ ہم ہر معاملہ آج خود پنپنائیں ہمارا کام یہ ہے کہ ہم صحیح سمت حالات کو گردش پر لگائیں۔“

میں نے ان سے ایک خاص سوال پوچھا کہ کیا وہ کشمیر کی جنگ بندی لائن کو ایک مستقل بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیں گے۔؟ تو مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ :-

”ہم دو ممالک کے درمیان کشمیریوں کی نقل و حرکت آسان کر لیں اور فی الوقت معاملہ بیس پر چھوڑیں۔ ہم جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اگر حالیہ جنگی مسائل کا حل نکالنے کے بعد، ہم نے اس معاملے پر بحث کرنا محسوس کر لیا، پھر ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ ہم عالمی انجمنوں اور اقوام متحدہ کے ہاں نہ گھومیں۔“

میں نے مسٹر بھٹو سے پوچھا کہ کیا وہ کشمیر پر ٹرسٹی ٹائپ حل منظور کریں گے؟ ”معاہدہ ٹریبی ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء کی رو سے ٹرسٹی کا آزاد حصہ موجودہ حد بندی کے تحت، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اٹلی اور یوگوسلاویہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ معاہدے کی رو سے طرفین میں آزاد سفر کی سہولیات کی گارنٹی بھی دی گئی تھی۔ مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ:-

”میں جزوی طور پر ٹرسٹی پر سوچ رہا تھا۔“ انہوں نے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے سے گریز کیا سوائے اس بار۔ کے کہ ”میں نے آپ کو اپنے ذہن میں جھانکنے کا موقع دیا ہے، اگر میں اس کے بارے میں اور زیادہ کچھ کہوں یا اگر ہم اس میں اور زیادہ گہرا چلے گئے تو آپ ہمارے ہاں بھی جن سنگھیوں کو پائیں گے۔ جو یہ کہنا شروع کریں گے ”دغا“ اور اسی قسم کی دوسری باتیں مختصر الفاظ میں جو کچھ آپ کو کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیزیں اور دوسری عالمی نظریں precedents زیر نظر رکھتے ہوئے ہم حرکت کا آغاز کر سکتے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ حرکت کرنے کے لئے کافی جگہ موجود ہے۔“

واپس وطن لوٹنے پر میں نے یہ باتیں مسز اندرا گاندھی اور وزارت خارجہ کے پالیسی پلاننگ چیف مسٹر ڈی، پی در سے کہیں۔ مسٹر بھٹو اور اندرا گاندھی کی چوٹی کانفرنس کے لئے دونوں ملکوں کے پاس دو مختلف ڈرافٹ تیار تھے۔ مسٹر در اور مسٹر عزیز احمد نے ان کا تبادلہ مری میں کیا۔ ہندوستان کے ڈرافٹ میں پہلا جز یہ تھا۔۔۔ ”پائیدار امن کے اجزاء۔۔۔ اور پاکستان کے ڈرافٹ میں ”(بگلمہ دیش“ کی جنگ کے نتائج کا خاتمہ اور امن کی طرف واپسی۔“

دونوں مسودوں میں چند مشترکہ نکات کے باوجود ترجیحات مختلف تھیں۔ بھارت ایک ”پائیدار امن“ کے حصول کے لئے مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے لئے طے کرنا چاہتا تھا۔ مسٹر عزیز احمد نے اس اپروچ سے اتفاق نہیں کیا۔ لیکن مسٹر بھٹو نے اتفاق کیا، اور چوٹی کانفرنس کا بندوبست ہو گیا۔ اسلام آباد میں مسٹر در کے ساتھ مسٹر بھٹو نے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ میں چوٹی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر مسز اندرا گاندھی کے ساتھ مفصل بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ اس مکالمے میں مسٹر بھٹو نے پنڈت نہرو کے ساتھ لندن میں نومبر ۱۹۶۱ء میں ایک ملاقات کا حوالہ دیا اور کہا پنڈت نہرو نے اس وقت مجھے کہا تھا۔

”زلف! میں جانتا ہوں کہ ہمیں کشمیر کا حل تلاش کر لینا چاہئے۔ لیکن ہم ایک ایسی حالت میں پھنس گئے ہیں جس سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک نہ ہم اپنے اپنے ملکوں میں اپنے اپنے سماجی نظاموں اور صورتوں کو نقصان پہنچائیں۔“

شملہ میں مسئلہ کشمیر پر چوٹی سطح اور افسروں کی سطح پر بحث و مباحثہ ہوا۔ مذاکرات کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ جب مسز گاندھی کے پرسنل سیکرٹری مسٹر۔ بی این ہکس نے دھاگے کو اس جگہ پکڑا جہاں مسٹر در نے اسے چھوڑا تھا، تو اس نے مسٹر عزیز احمد سے سوال کیا کہ اگر چین اور امریکہ جیسی مختلف الجمال اقوام ایک دوسرے کے قریب آ سکتی ہیں۔ ہند اور پاکستان کے لئے ایسا کیوں ناممکن ہے؟ مسٹر ہکس نے کہا کہ دونوں طرف کے ضروری ذرائع ترقیات کے بجائے دفاع پر صرف ہو رہے ہیں۔ انڈیا نے مسئلہ کشمیر کو زیر بحث لاتے ہوئے کہا کہ کم سے کم یہ اعلان کیا جانا چاہیے کہ جنگ بندی لائن امن کی لائن ہو گی، جیسا کہ مسٹر بھٹو نے تجویز کیا تھا لیکن مسٹر عزیز احمد نے کہا کہ پاکستانی عوام ہم پر شک کریں گے اگرچہ ہم مسئلہ کشمیر کی

تمہید ہی زیر غور لائیں۔ مسٹر بھٹو نے بھی قریب قریب اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان معاملات پر جلدی کیوں ہو؟ میری رائے میں بعض اوقات جلد بازی سے مسائل برباد کئے جاتے ہیں۔ یہ فرض ہم پر ہی کیوں عائد ہو کہ تمام مسائل حل کئے جائیں۔“ لیکن مسٹر بھٹو نے اس سے بھی زیادہ کچھ کہا کہ ”میری پیٹھ دیوار کی طرف ہے۔ میں اس سے زیادہ رعایتیں نہیں دے سکتا ہوں۔“

جب انڈیا نے ٹریڈی ایگریمنٹ کا حوالہ دیا، تو مسٹر بھٹو نے کہا کہ اس معاہدے نے اصولی طور پر دونوں ملکوں (یوگوسلاویہ اور اٹلی) کا موقف تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن میرا استدلال یہ ہے کہ مجھے آج اور یہاں مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کی بات چیت پر مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ میں اس وقت کوئی فارمولا اپنے عوام کو بیچ نہ سکوں گا۔ وہ ان بنیادوں پر کسی معاہدے کے خلاف نہ تھا۔ لیکن وہ پاکستان کے عوام کے مخالفانہ رد عمل سے ڈرتا تھا۔ مثلاً ”انہوں نے کہا کہ شملہ معاہدہ پاکستانیوں کی نگاہ میں شک اور چیز بنے گی۔“

یہ ممکن ہے کہ مسٹر بھٹو نے اس وقت مسز گاندھی کو بتایا ہو گا کہ میں کم و بیش جنگ بندی لائن سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن یہ انڈر سٹینڈنگ اس وقت عوام کی نوٹس میں نہیں لائی جائے، کیونکہ اس وقت اسے رقبہ واپس مل رہا تھا۔ لیکن نوے ہزار جنگی قیدی نہیں ممکن ہے کہ آج مسٹر بھٹو یہ دعویٰ کریں کہ میں نے یہ ساری باتیں کشمیر کے بارے میں اس لئے کیں کیونکہ میں شملہ سے خالی ہاتھ پاکستان نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے ریمارکس اس بات کے غماز ہیں کہ بات کچھ اس سے بھی زیادہ تھی۔ جو اعلان میں نہ آ گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان ہمیشہ ہی مسئلہ کشمیر کو موجودہ جنگ بندی لائن کے ارد گرد حل کرنے کا خواہاں رہا ہے۔ ایک وقت ہند جوں کے پونچھ اور میرپور کے علاقوں کو پاکستان کے سپرد کرنے کے لئے تیار تھا تاکہ ایک مستقل حل نکالا جائے۔ جنوری ۱۹۵۵ء میں وزیراعظم نہرو اور گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے اس پر اتفاق کیا تھا۔ مئی ۱۹۶۳ء میں جب مسٹر سورن سنگھ نے مذاکرات کا دھاگہ پکڑا، تو شاستری نے کہا کہ انڈیا مسئلہ کشمیر کا دائمی حل دریافت کرنے کے لئے جنگ بندی لائن میں تبدیلیاں کر کے پاکستان کو کچھ اور علاقہ دینے کے لئے تیار ہے۔

معاہدہ شملہ کے کئی ماہ بعد ایک انٹرویو میں وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے

مجھے بتایا کہ میں نہ صرف کشمیر کے دونوں طرف بلکہ ہند اور پاکستان کے دونوں طرف نرم سرحدوں کی خواہاں ہوں۔

پھر بھی کچھ لوگ کہیں گے کہ ان تمام باتوں سے کسی خفیہ پیکٹ کا اشارہ کیسے ملتا ہے۔ اگر کوئی انڈر شیڈنگ ہوئی ہوگی، تو اس کے معنی بھی وہی ہیں۔ مسز اندرا گاندھی نے ۳ روز قبل کوچین میں کہا اگر اس قدر خفیہ کوئی انڈر شیڈنگ ہوئی ہے، پھر انہیں اس کا اظہار ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ یہ جملہ بالکل ہی اہم ہے۔

دسمبر ۱۹۸۱ء میں بھارتی صحافی اجیت بھٹاچاریہ نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق سے ایک طویل انٹرویو لیا، جو انگریزی رسالے ہفت روزہ ”سنڈے“ دہلی میں شائع ہوا۔ معاہدے کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے صدر پاکستان نے کہا:

”۱۹۷۱ء میں ہمارے ہندوستانی دوستوں کے مطابق پاکستان کا سائز چھوٹا کر دیا گیا، لیکن میرے خیال میں پاکستان کو آدھا کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان شملہ معاہدہ ہوا جو اگرچہ سابق وزیراعظم کے دور میں وجود میں آیا۔ لیکن اسے موجودہ پاکستانی حکومت تسلیم کرتی ہے۔ یہ معاہدہ کن حالات میں طے پایا تھا ہمیں آج تک اس کا علم نہیں۔ ہمیں اس بات کا بھی علم نہیں کہ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد شملہ معاہدے کے دوران کیا بات چیت ہوئی۔“

اس سوال کے جواب میں کہ کیا اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ صدر محمد ضیاء الحق نے کہا:

”کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں ہے۔ وزارت خارجہ کے افسران اور صحافی جو لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ میں نے ان سب سے معلومات حاصل کی ہیں۔ ان کا کہنا بس یہ ہے کہ ہاں ہم لوگ مذاکرات کے وقت موجود تھے، اندرا گاندھی نے یہ کہا، بھٹو نے یہ کہا، نیز یہ کہ مسز گاندھی سمجھوتے کے موڑ میں نہیں تھیں اور مسٹر بھٹو ریز رو تھے، صورت حال یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے اپنے سامان بیک کر لئے اور واپسی کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اچانک آخری لمحات میں کوئی غیر معمولی بات ہوئی، یہ بات کیا تھی ہمارے علم میں نہیں ہے، یہ بات یا تو مسٹر بھٹو کے علم میں تھی جواب موجود نہیں رہے یا مسز اندرا گاندھی کے علم میں ہوگی۔ جو آپ کے یہاں موجود ہیں، لیکن بہر حال میں نے اس معاہدے کو برقرار رکھا۔“ (ترجمہ ہفتہ وار ”دعوت“ دہلی

## بھٹو لہر اور سانحہ کشمیر

### آغاز

مارچ ۱۹۷۸ء کے دوسرے پندرہ واڑے میں ہندوستان کے زیر نگین کشمیر کے مسلمان علاقے ایک خوف ناک بھٹو نواز لہر کی گرفت میں آ گئے یہ عبداللہ نواز لہر سے کہیں زیادہ ڈراؤنی، خونخوار اور بے رحم تھی۔ جو جون، جولائی ۱۹۷۷ء کی الیکشن مہم کے دوران کشمیر کے مسلمان علاقوں میں شیخ محمد عبداللہ کے حق میں اور جنتا پارٹی کے خلاف اٹھی تھی، بھٹو نواز لہر کے دوران ہونے والے غضب ناک عوامی مظاہرے لاہور ہائی کورٹ کے فل بینچ کے اس فیصلے کا رد عمل تھے۔ جس نے نواب محمد احمد خان کے شور انگیز مقدمہ قتل میں پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کا مجرم قرار دے کر انہیں سولی پر چڑھانے کا حکم سنایا تھا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مشتاق حسین اور چار دوسرے ججوں نے یہ اتفاق رائے ذوالفقار علی بھٹو اور دوسرے چار ملزموں کو پھانسی کے ذریعے واجب القتل قرار دیا تھا۔

اس فیصلے کے خلاف عوامی غیض و غضب کا اظہار کرنے کے لئے دو روز تک سری نگر میں طلبہ اور وکلاء کے جلوس نکلے اور جلے ہوئے لیکن کشمیر کی دیہی آبادی اور بڑے بڑے قصبوں میں ۱۸ مارچ ۷۸ء سے ۲۵ مارچ ۷۸ء تک حکومت پاکستان، لاہور ہائی کورٹ کے ججوں اور پاکستان قومی اتحاد کے خلاف نفرت اور ملامت کے زور دار جھکڑ چلے۔ جنہوں نے ان پڑھ اور پڑھے لکھے لوگوں، عالموں اور جاہلوں کو یکساں طور پر اپنے ساتھ بہایا۔ آزاد کشمیر پر چڑھائی کے نعرے دے گئے اور داڑھی کی تشفیک عام ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے ڈر سے اور بعض نے احتجاج کے طور پر داڑھیوں کو منڈوا دیا اور کسی کسی نے دھمکی دی کہ اگر بھٹو صاحب کو سولی پر لٹکایا گیا، تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل کر کسی دوسرے دائرے میں داخل ہو گا۔

چند روز بعد ریاست کے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ سرینگر تشریف لائے تو انہوں نے پاکستان کے تازہ ترین واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ۷۷ء میں بھارت کے ساتھ ان کے الحاق کا فیصلہ آج درست ثابت ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہا کہ ”مسٹر بھٹو کے حق میں اور جنرل ضیاء الحق کے خلاف کشمیریوں کے مظاہرے تو سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ لیکن صدر کارٹر کے پتلے جلانا اور ان کے خلاف نعرے بلند کرنا کیا معنی



رکھتا ہے؟ یہ کمیونسٹوں کی سازش ہے۔“ اور جب ریاست کی قانون ساز اسمبلی میں لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف کانگریسیوں نے التواء کی تحریک پیش کی تو وزیر اعلیٰ نے ایوان کو بتایا کہ اب آپ نے مظاہرے کر کے اپنا حق ادا کیا ہے۔ ایک بیرونی ملک کے ناطے ہم پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے اور بین الاقوامی قواعد اور نظائر کی رو سے ایک ملک دوسرے ملک کے اندر صرف اسی حکومت کو مان سکتا ہے۔ جس کا حالات اور عوام پر موثر کنٹرول ہو۔ پاکستان کی موجودہ حکومت کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا خود وہاں کے عوام کا کام ہے۔ مسٹر بھٹو نے سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر لی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسٹر بھٹو کو اپنے ملک کی عدلیہ کا احترام ہے، اور اگر سپریم کورٹ نے بھی مسٹر بھٹو کے خلاف فیصلہ دیا، تو آپ کیا کر سکتے ہیں سوائے اس بات کے کہ آپ کھڑے ہو کر مغفرت کی دعا کریں۔“

سپریم کورٹ کی توثیق کے خلاف مظاہرے

لاہور ہائی کورٹ میں سزائے موت کا فیصلہ سن لینے کے بعد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے سپریم کورٹ سے اپیل کی کہ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ کالعدم قرار دے کر انہیں بری کیا جائے۔ اب کشمیر کے عوام سپریم کورٹ کی کارروائیوں کی طرف متوجہ رہے، آخر کار ۶ فروری ۷۹ء کو سپریم کورٹ کے فل بینچ نے چیف جسٹس انوار الحق کی قیادت میں ۳ کے مقابلے میں ۴ ججوں کی اکثریت سے مسٹر بھٹو کی اپیل کو مسترد کر کے لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سنائی گئی سزا بحال رکھی اس خبر کے نشر ہوتے ہی سری نگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں سپریم کورٹ اور جنرل ضیاء الحق کے خلاف پھر سے احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے جو کئی روز تک جاری رہے۔ جناب بھٹو نے سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست دائر کی جو سپریم کورٹ کے ساتوں ججوں نے ۲۳ مارچ کو با اتفاق رائے خارج کر دی۔ اس روز بھی سری نگر میں کچھ مظاہرے ہوئے۔

## پھانسی اور کشمیر

۳ اپریل ۱۹۷۹ء کو پو پھنے سے پہلے پاکستانی وقت کے مطابق رات کے دو بجے راولپنڈی کے ڈسٹرکٹ جیل میں بھٹو صاحب کو پھانسی دی گئی انا للہ وانا الیہ راجعون

[illegible]

سرسبز و شاداب درخت کاٹ ڈالے گئے، اور ان باغوں کی دیواریں منہدم کی گئیں۔ اس طرح مزارعوں، باغبانوں، تاجروں اور ملازموں کی تمام بستیاں نان شبینہ کی محتاج بنائی گئیں۔ ان معتبوب بستیوں کے گھریلو جانوروں کو بھی بے رحمی کے ساتھ زد و کوب کیا گیا اور خواتین اور لڑکیوں کی نامعلوم تعداد کی بے شرمی کے ساتھ عزت و عصمت لوٹنے کی کوششیں کی گئیں۔ مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ آتش زنی اور مکانوں اور دکانوں کے انہدام کا یہ شرمناک اور وحشیانہ عمل کم سے کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ چار روز تک جاری رہا۔ اور جب چار روز کے بعد مواصلات کے ذرائع بحال ہو گئے، اور بیرونی دنیا ان کھنڈرات کو دیکھنے لگی تو ہر طرف کشمیر جہالت اور تخریب کے روح فرسا مناظر پیش کر رہا تھا۔

سری نگر میں مظاہرین نے اقوام متحدہ کے مبصرین کے ہیڈ کوارٹر کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی واقع ڈائریکٹر ٹیلی ویژن اسٹیشن کی رہائش گاہ اور ایک گرجا گھر جلائے گئے۔ اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر پر جو گولیاں چلیں ان سے کئی لوگ مارے گئے۔ بشہ مانہ میں احمدی فرقے کی عبادت گاہ کو نذر آتش کرنے کی کوشش سرحدی حفاظتی پولیس کے دفاعی اقدامات کے بعد ناکام ہو گئی۔ بحیثیت مجموعی سری نگر میں مظاہرین کی کارروائیوں پر کنٹرول رہا۔ ضلع بارہ مولہ میں اکا دکا اسلامی کتب کے نسخے بھی جلائے گئے۔ سوپور اور کچھ دوسرے علاقوں میں جماعت اسلامی کے دفاتروں کا لڑچجر اور فرنیچر سڑکوں پر پھینک کر جلایا گیا۔ سارے ضلع میں بانڈی پورہ کے علاقے میں ہی لوٹ کھسوٹ، آتش زنی اور مادھاڑ کے سنگین واقعات پیش آئے، اور شورش پسندوں نے کئی لوگوں کے میوؤں کے بڑے بڑے باغات کاٹ ڈالے اور دیواریں منہدم کیں۔ اور خواتین اور لڑکیوں پر حملے کئے غارت گری کے یہ شرمناک واقعات آلوہ، ترکہ پورہ، اونہ گام کلوہ۔ خاص بانڈی پورہ۔ ماڈر، کونن اور ناوی بل میں کئے گئے۔

میں نے ۸ مئی ۷۹ء کو ضلع اسلام آباد کے آتش زدہ غارت شدہ بڑے بڑے دیہات کا دورہ کیا، میرے ساتھ فضل الحق قریشی، عبدالمجید پٹھان، نذیر احمد بٹ اور مولوی محمد یعقوب تھے۔ ہم نے جو دیہات دیکھے وہ خاکستر ہو گئے تھے۔ کھنڈرات میں بدل گئے تھے۔ یہ کھنڈرات زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ جب انسان عقل، حیا اور رحم کی حدود کو ایک بار پھاندتے ہیں تو درندوں کو بھی مات کرتے ہیں، اور خدا کی

زمین کو فساد سے بھر دیتے ہیں۔ ان آفت زدہ بستیوں کے لئے پٹے بے شمار کتبے صرف مالک حقیقی سے مدد اور رحمت کے طلب گار تھے۔ سب سے زیادہ تباہی آرونی میں لائی گئی ہے۔ پانچ سو مکانات کا یہ بہت بڑا گاؤں اب خاک و خاکستر میں تحلیل ہو گیا تھا۔ لوٹ کھسوٹ اور آتش زنی سے تباہ ہونے والے تمام دیہات کی تفصیل اور روداد غم سخت کرب انگیز ہے۔ جس کو سن کر آنکھوں سے آنسوؤں کے جام بے اختیار چھلک اٹھتے ہیں۔ ہماری ٹیم شورش پسند علاقوں سے بھی گذری۔ بلکہ ہم نے رات وچی میں گذاری جس نے اس علاقے کے آس پاس دیہات میں شورش اور تخریب کاری میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ اس علاقے میں سخت تناؤ محسوس ہوا۔ وچی اور اس کے قرب وجوار کے عوام میں بے چینی اور غیر یقینی صورت کی شدید کیفیت تھی۔ دن بھر معاش کی خاطر ادھر ادھر تک و تاز کرنے کے بعد رات کا سونا ان پر حرام ہو گیا تھا۔ آس پاس کی تباہ حال بستیوں کی طرف سے اچانک حملے اور آتش زنی کے خطرے کا آسیب ان پر بری طرح سوار تھا۔ یہ لوگ شام کی سیاہی کا اشارہ پاتے گاؤں کے نوجوانوں کو سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑا کرنے اور طلوع صبح تک پہرہ داری کرنے کے لئے کلباڑیوں اور لاشیوں کے ساتھ بھیج دیتے تھے، اور کسی بھی آتش زنی کے خطرے کے خلاف احتیاطی اقدامات کرتے۔ وچی میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں راستے میں کئی ایک مقامات پر رکاوٹوں کو ہٹانا پڑا اور بہت سے رضا کار دیہاتی پہرے داروں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ لوگ اب ہر آنے جانے والے کو مشکوک سمجھتے تھے اور اس کی پوچھ گچھ کرتے تھے۔ پہلے ہم پر بھی شک کیا گیا۔ لیکن بعد میں انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ اور اپنے ماضی کے کئے پر شرمسار تھے۔ ہمارے ساتھ نصف شب تک انہوں نے مذاکرات جاری رکھے۔ اور انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ تین روزہ فسادات میں ان سے اور ان کے ساتھیوں سے گناہ سرزد ہوئے اور اسی وجہ سے آج وہ اپنا مال و متاع غیر محفوظ سمجھ رہے ہیں۔

### اسباب و عوامل

کشمیر میں تین روز کی حشر آفرین غارت گری کے مختلف اسباب و عوامل قدیم اور جدید ہیں۔ ان واقعات کی ذمہ داری کسی ایک طبقے جماعت اور مکتب فکر پر عاید نہیں ہوتی ہے۔ واضح طور پر اس میں تمام طبقات اور جماعتوں کا رول رہا ہے۔ ہاں

البتہ کوئی گہرائی کے ساتھ ملوث ہے اور کوئی سطحی طور پر۔ اکثریت کو استعمال کیا گیا ہے اور اقلیت نے باقاعدہ طور پر اس کی شدہ دی ہے۔ سیاہ اپریل میں دو نوع کے عناصر کے خلاف شورش پسندوں نے جارحیت کا ارتکاب کیا۔ ان میں سے ایک جماعت اسلامی اور اس کے متاثرین ہیں اور دوسرے احمدی فرقہ کے لوگ۔

پاکستانی عوام کی تیس برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد یہ اتفاق تھا کہ ۱۹۷۴ء میں جب احمدیوں کو دستور پاکستان میں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے پاکستان گیر عوامی ایجنسی ٹیشن کا تندو تیز طوفان برپا ہوا تو جناب ذوالفقار علی بھٹو مملکت کے وزیر اعظم تھے۔ اس ایجنسی ٹیشن نے کئی ماہ تک پاکستان کے معمولات معطل کر دیئے، اور آخر کار حکومت نے تحریک ختم نبوت مان کر قومی اسمبلی کے ذریعے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں ایک تاریخی ترمیم کی گئی قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو یہ ترمیمی بل پاس کیا، اور اب یہ ترمیم ۱۹۷۳ء کے دستور کی ایک مستقل خصوصیت ہے ۱۹۷۷ء سے پہلے یا اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ان کی پھانسی تک جتنے بھی واقعات رونما ہوئے، ان کے بارے میں کشمیری عوام کا یہی یقین رہا ہے کہ یہ سب کچھ احمدیوں کی سازشوں ہی کا نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ جنرل ضیاء الحق کو بھی احمدی ہی قرار دیتے تھے لہذا کشمیر میں سیاہ اپریل کی شکل میں احمدی فرقے پر جو یورش ہوئی وہ اسی پس منظر میں سمجھ لی جانی چاہئے۔ کشمیر کی جماعت اسلامی پر قیامت ڈھانے کے مختلف اسباب کا جائزہ ذیل میں لیا جائے گا۔

### قدیم تاریخی سبب

کشمیر میں ۱۹۴۷ء کے بعد جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آگیا۔ اس وقت کشمیر کی مسلم اکثریتی ریاست میں تجدید و احیائے اسلام (RENAISSANCE) کی کوئی تحریک وجود میں نہیں آئی تھی۔ مسلمانوں کے بعض طور طریقوں پر ان کے ہم وطن ہندوؤں کے روحانی خیالات کی چھاپ نظر آتی تھی۔ اس کے علاوہ عام مسلمان قدیم طرز کی محدود سوچ رکھنے والے مولویوں کی مذہبی اور روحانی تاویلات پر ہی تکیہ کرتے تھے۔ سیاسی رہنمائی کے لئے یہ قوم نیشنل کانفرنس کی

سکولریڈر شپ پر اعتماد رکھتی تھی۔ جو اسلام کے انقلابی اور متحرک تصورات سے ناواقف تھی۔ مسلم کانفرنس کی طرف سے کوئی چیلنج درپیش نہ تھا۔ کیونکہ وہ ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات اور حکومت ہند، شیخ محمد عبداللہ اور ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان الحاق کے بعد وادی کشمیر اور جموں کے میدان سیاست سے دست بردار ہو کر آزاد کشمیر اور پاکستان میں اپنی نئی حکمت عملی (strategy) پر غور و فکر کر رہی تھی۔

ادھر وادی کشمیر میں مولویوں کے اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر تھے۔ لیکن مطالعہ کے نقص اور علم کی کمی کی وجہ سے ان کے خیالات میں جمود اور افلاس تھا۔ انہیں احیائے اسلام کا کوئی شعور و احساس ہی نہ تھا۔ عوام ان کی اندھی تقلید کے مرض میں گرفتار تھے۔ جس نے ان کے اندر خودی کو مفلوج کیا تھا۔ عام مسلمانوں اور ان کے مولویوں کے درمیان جو تعلقات قائم تھے، ان کے پیچھے آج کی طرح ہی کوئی انقلابی تصور کام نہیں کر رہا تھا۔ مولویوں کی فکر اور پریشانی اصل میں اقتصادی تھی نہ کہ دینی اور روحانی۔ انہوں نے اس تعلق کو اپنے لئے حصول معاش کا بنیادی ذریعہ بنایا تھا۔ باقی تمام سوالات اس کے نیچے دب چکے تھے یا اندر گم ہو گئے تھے۔ مولویوں کی ادنیٰ اقتصادی اغراض کی چھاپ اب ان کے پیرو کاروں میں بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ جو دینی اور روحانی ترقیوں کی منزلیں طے کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے پرائیویٹ کاروباری اور معاشی مسائل کی آسانی کے لئے اپنے ملاؤں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ وہ روحانی اور دینی ترقیوں کی امید بھی کس سے رکھتے۔ صاحب دل حضرات اب خال ہی کہیں ڈھونڈنے کی امید تھی۔ خدا اور بندے اور بندوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں قرآنی اور پیغمبرانہ تصور مسخ اور فراموش تھا۔ ٹھیک ٹھیک دینی و روحانی رہنمائی کے لئے جس مذہبی طبقے کی طرف لوگ دیکھتے تھے وہ خیالات و افکار کے لحاظ سے بڑا ہی مفلس تھا۔ اس لئے علم و عمل کا افلاس عوام میں بھی پھیل گیا تھا۔ بحران

بمذاہم طرح کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی یہی صورت حال ہے اس کے مقابلے میں کشمیری نوجوانوں میں بیداری کی ہر کہانی نامان نظر آتی ہے۔

اور افلاس کے اس عالم میں بھی کچھ اہل علم، صاحب عمل اور صاحب دل لوگ ہوں گے۔ لیکن حالات اور ماحول نے انکی قدر و قیمت نہیں پہچانی ہوگی۔ جس کا ثبوت شیخ الہند حضرت مولانا انور شاہ صاحب لولابی ہیں۔ کشمیر کے اس جید، مشہور عالم اور دینی مفکر کی قدر کشمیری مسلمانوں نے نہیں پہچانی۔ چنانچہ انہوں نے واپس دیوبند جا کر اپنی عظیم دینی خدمات کا آغاز کیا، اور خود کشمیر ان کی کاوشوں، منصوبوں اور عملی و دینی رہنمائی سے محروم رہ گیا۔ کشمیری مسلمانوں پر جب اپنے حکمران تھے اور جب دہلی یا کابل سے حکمران آگئے یا سکھ اور ہندو ڈوگرے تھے، دونوں حالتوں میں کشمیری چکی کے دوپالوں کے نیچے پتے رہے اور ایک جابرانہ اور کورپٹ نظام میں معاشی و علمی ترقی اور مذہبی آزادی کے دروازے ان کے لئے بند رکھے گئے تھے۔ جس نے مذہبی طبقوں کو بھی پریشان حال کیا تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد یہاں بھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریک پھیلنے لگی اور ان کا پیش کردہ لٹریچر مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مقبول ہونے لگا۔ قدیم ڈگر کے مذہبی لوگ بے چین ہو گئے۔ کیونکہ نئی اسلامی تحریک نے ان کی بتیوں میں بھی شکاف ڈالے انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ سب کچھ برداشت کر بھی لے۔ لیکن اسے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص یا تنظیم اس کے گذر بسر، معاش اور آمدنی کے ذرائع کو سبوتاژ (Sabotage) کرے۔ اندیشہ صحیح تھا یا غلط، بہر حال جامہ راہ کے مذہبی پروہتوں نے یقین کر لیا کہ نیا نعرہ اسلام اگر عوام میں مقبول ہو گیا، تو ان کی روزی اور دکان داری جاتی رہے گی، پس کشمیر میں جماعت اسلامی کے اولین مخالف مذہب داروں کے اسی طبقے سے پیدا ہو گئے دوسرے تمام مخالفین بھی وقتاً فوقتاً اسی طبقے کا سہارا لیتے رہے، اور اسی کو ایکسپلاٹ کرتے رہے۔ پھر جب تیس برس بعد جماعت اسلامی کی رفتار کو روکنے اور اس کی جمع کی ہوئی طاقت کو تباہ کر دینے کا موقعہ آ گیا۔ تو اسی طبقے نے میدان میں اتر کر اپنا رول ادا کیا۔ چند اہل حدیث مولویوں نے بھی دو برس تک مسجدوں سے جماعت اسلامی اور پاکستان کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈا مہم چلائی۔ بلکہ اس تحریک کو مرزائیت سے تشبیہ دی گئی۔ شیعوں کے چند مولویوں نے بھی نفرت و انتقام کی آگ بھڑکانے میں اپنا پارٹ ادا کیا۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنی ملت کی باہمی رزم آرائی کو دیکھ کر ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ندیمانہ فریاد کی تھی

مسلماناں بہ خوشیاں در ستیزند بہ جز نقش دوئی بر دل نہ ریزند  
نہ نالم از کسے نالم از خویش کہ ماشایان شان تو نہ بودیم  
اور مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ نے ترجمان القرآن حصہ دوم میں مسلمانوں کی فرقہ بندیوں اور لڑائیوں کے نتائج کی طرف توجہ موڑتے ہوئے یاد دلایا تھا۔

”پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بتیاں صرف اس لئے جلا دی تھیں کہ ایک گروہ کہتا تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سب سے بڑے دلی ہیں، دوسرا کہتا تھا نہیں شیخ احمد رفاعیؒ۔ ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں۔ زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ عمرو کہتا ہے مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟ ایک مرتبہ جی میں آیا لکھدوں، دونوں کے پیچھے نہیں۔“

فقہ کے مسالک اربعہ جب مشخص و مدون ہو گئے اور تقلید محضی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا، ان چاروں اماموں میں افضل کون ہے؟ امام ابو حنیفہؒ یا امام شافعیؒ۔۔۔۔۔؟ اب بحث شروع ہو گئی اور بحث نے جنگ و قتال کی صورت اختیار کی، چنانچہ ہلاکو خان کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلاوا بھیجا، اور شہر کے پھانک کھول دیئے پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو۔ فجاءوا لخلال اللہ یار، وکان وعدنا ”معفولا“ شیعہ سنی اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا، لیکن اس تمام اختلاف کا ماحصل بھی کیا ہے۔ یہی کہ لما بالاقرون الاولى اور تیرہ سو برس گذر گئے، مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی۔ علمہا عندلوی فی کتاب لا یضللہی ولا یسئلہ۔“

کشمیر میں بھی اسی قسم کے جھگڑوں کا نہ پہلے کچھ شمار تھا اور نہ آج اور اب قومی سیاست اور سیاسی پارٹیوں پر بھی انہی روایات کی چھاپ ہے۔ حالانکہ ہمارے سیاست کار خود کو ترقی پسند، اور روشن خیال قرار دیتے ہیں۔ لیکن سیاست کار مولوی اور واعظ دونوں اپنے اپنے گروہی اور ذاتی مفادات کے لئے حدود کو توڑتے ہیں۔ اور جب بھی چاہتے ہیں۔ اپنے حواریوں کو بے لگام چھوڑتے ہیں اور خود بھی ان کے

ساتھ بے ہمار ہو جاتے ہیں۔ مولوی اور واعظ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سیاست اور سیاسی پارٹیوں سے الگ ہیں۔ بہ اس ہمہ وہ در پردہ بعض سیاسی پارٹیوں خاص کر حکمران پارٹیوں کا ساتھ دے کر دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح سیاست کار، سیکولر ازم کا دھول پیٹنے کے باوجود بناوٹی مذہب نمائی کرتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ مذہبی مقامات پر قابض رہتے ہیں، اور تفرقہ بازی کر کے فرقہ وارانہ فسادات کراتے ہیں۔ یہ حقیقتیں نظر میں رکھی جائیں تو آپ کو دور تک سانحہ کشمیر ۷۹ء کے اسباب و علل کا سراغ آسانی کے ساتھ مل جائے گا۔

### کیونسٹوں کا رول

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ان کے ساتھی مفکروں نے فردی سوالات اور فقہی اختلافات سے صرف نظر کر کے موجودہ دور کے ملحدانہ اور لادینی نظریات کے توڑ کی طرف بھی اپنی توجہ دی۔ ان کی نظر کیپٹل ازم، سوشلزم، کمیونزم اور سیکولر ازم پر پڑی۔ چنانچہ ان کے فراہم کردہ لٹریچر نے برصغیر ہندوستان میں کمیونزم کی رفتار کو کم از کم مسلمانوں میں روک لیا۔ ٹھیک یہیں کمیونزم و سوشلزم کے رہنماؤں کو پتہ چلا کہ ان کا اصلی دشمن کون ہے، کہاں بیٹھا ہے، اور کیسے حملہ آور ہوتا ہے۔ نیز اسلام کے دفاع میں اس کی حکمت عملی (Strategy) کیا ہے۔ کمیونسٹوں نے شدت کے ساتھ یہ بات بھی محسوس کر لی کہ اس زمانے میں جب مسلمانوں کی نئی نسل جلد اور راہبانہ تصورات سے تنگ آکر کمیونزم اور سوشلزم کی گود میں بہ آسانی کود سکتی تھی ایک نئی تحریک نیا اپروچ اور نئی کشش لے کر ان میں اسلام کا نیا ولولہ پھونک رہی ہے۔ اسلئے موقعہ کو غنیمت جان کر کمیونسٹوں کے سب ہی عناصر نے، جہاں جہاں موقعہ پایا۔ اس تحریک کو صفحہ کشمیر سے مٹانے اور سیاہ اپریل پیدا کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اپریل کے واقعات میں کچھ زیادہ مذموم اور وحشیانہ حربوں کو استعمال میں لایا گیا۔ مثلاً ”قرآن پاک کی مذمت، توہین اور آتش زنی، تقاریر میں قرآنی تعلیمات کا مذاق، داڑھی جیسے اسلامی شعار کی مذمت اور منڈانا اور وسیع و عریض باغات اور درختوں کا خاتمہ، کمیونزم اور سوشلزم کا پورا فلسفہ و فکر اور ضابطہ اخلاق مطالعہ کر لینے اور بعض ممالک میں اس نظام فکر کا آغاز و ارتقاء جان لینے کے بعد آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ ”کار خیر“ ہماری ریاست میں کمیونسٹوں کے بغیر موجودہ حالات

میں کوئی دوسرا فسادی گروہ انجام نہیں دے گا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ مختلف مذہبی گروپوں کو اختلافات ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وقت اس کے سیاسی اپروچ سے اتفاق کیا جائے۔ لیکن اس کے خلاف ایک عظیم یورش کے دوران اسلام کے اساسی عقاید اور عبادات پر ایمان رکھنے والا کوئی گناہ گار مسلمان بھی قرآن پاک یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے عظیم جرم کی شہ نہیں دے گا۔ اسی طرح کسی فرد کے دوران وسیع و عریض باغات کا صفایا، کشمیر کا پہلا واقعہ ہے۔ واضح طور پر اس اقدام کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مخالف کو اس کی بہت بڑی نفع بخش املاک سے قطعی طور پر محروم کیا جائے۔ اور بلاشبہ یہ انتہائی سخت سزا صرف اسی گروہ کے اشارے پر دی جا سکتی ہے جس کو اپنے مخالف کی طاقت کا اندازہ ہو، اور اس سے خائف ہو، بہت سفاک ہو، اور یہ گوارا نہ کرتا ہو کہ اس کا مخالف آنے والے دور میں معاشی طور پر سنبھل کر اس پر جوابی یلغار کرے، جو لوگ مارکسزم، لینن ازم کے فلسفہ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ جو اس نظام فکر کے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یا جو اس فلسفے کے بنگالی ایڈیشن یعنی نکسلیٹ کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یا جنہوں نے کمیونسٹ مقبوضات میں مسلمانوں اور اسلام کا تاراج مطالعہ کیا ہو گا۔ وہ آسانی سے سمجھیں گے کہ باغات کا صفایا کن لوگوں کا اشارہ یا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ تاہم مجھے آردنی میں بتایا گیا کہ اس ڈراؤنی توڑ پھوڑ کی کارروائی بھی ایک قدامت پسند مذہبی تنظیم اور مولویوں کی شہ پر انجام دی گئی

### سیاسی سبب

جماعت اسلامی نے ابتداء سے ہی دین کے علاوہ سیاست، جمہوریت، قومیت اور اقتصادیات پر اپنے نظریات پیش کئے۔ لیکن بعض اوقات وہ بے موقع اور بلا ضرورت ایجابی طریقہ کار کو نظر انداز کرتے ہوئے کشمیر کی سب سے بااثر سیاسی شخصیت شیخ محمد عبداللہ سے بھی سخت چھیڑ چھاڑ کرنے کی عادی ہو گئی۔ اور اس نے اس زمانے میں بھی شیخ عبداللہ کو تنقید کا نشانہ بنایا، جب وہ تحریک رائے شماری کی وجہ سے مقبولیت کے نصف النہار پر کھڑے تھے۔ جماعت کے سرکردہ قائدین کی تقریروں کا مستقل عنوان شیخ محمد عبداللہ بن گئے۔ حالانکہ ایک زمانے میں خود شیخ محمد عبداللہ بھی جماعت اسلامی کے اصلاحی، علمی اور اخلاقی پروگرام کے بڑے مداح بن گئے تھے۔

لیکن جماعت نے آگے چل کر شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں لوچ اور پلک کی پالیسی کو اختیار نہ کیا۔ اور شیخ حلقے میں اپنی لابی گنوا دی۔ وہ پہلے پنجابی انتخابات میں اور پھر ۱۹۷۲ء میں نیپسٹی اور ٹاؤن ایریا کمیٹیوں کے انتخابات میں ان کے خلاف محاذ آرا ہو گئی۔ ۱۹۷۵ء میں جب شیخ عبداللہ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے گاندربل کے حلقے سے اسمبلی کے امیدوار بن گئے تو جماعت نے یہاں بھی اپنے چیلنج کا مظاہرہ کیا۔ اور جب ۱۹۷۷ء میں پہلے پارلیمنٹ کے لئے اور بعد میں اسمبلی کے لئے معرکہ آرائی ہوئی تو وہ یہاں بھی نیشنل کانفرنس کے خلاف ڈٹ گئی۔ انتخابی سیاست کی اچھل کود میں اس نے اپنے لئے اور بھی کئی چھوٹے موٹے حریف پیدا کر دیئے یہاں تک کہ وہ کشمیر کے مطلع پر لوگوں کی نگاہ میں تعلیمی اور اصلاحی سے زیادہ ایک سیاسی اور الیکشنی جماعت بن گئی۔ ان واقعات نے اوپر سے لے کر نیچے تک نیشنل کانفرنس کو مکمل طور پر اینٹی جماعت بنا لیا تھا اور جب اپریل ۱۹۷۹ء میں جماعت اسلامی کشمیر پر عوامی یورش کی بجلی گری تو حکمران نیشنل کانفرنس کے اکثر و بیشتر کارکنوں اور ہمدردوں اور مداحوں نے دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ فسادات میں حصہ لیا۔ یا مفسدوں کو شہ دیدی۔

یہ ضروری نہیں کہ اس ساری لوٹ کھسوٹ کے لئے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی پیشگی اجازت لی گئی ہو یا وہ بذات خود اس سے خوش ہوئے ہوں یا انہیں اس کی شدت کا پیشگی اندازہ رہا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شیخ محمد عبداللہ نیشنل کانفرنس کے قائد اور روح رواں ہیں۔ نیشنل کانفرنسی ان کے ساتھ اپنے تعلق کو باپ اور بیٹے کے رشتے سے بھی عظیم تر خیال کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ نیشنل کانفرنس کے حامیوں اور کارکنوں نے ایک حکمران تنظیم کی حیثیت سے اس غارت گری اور تخریب کاری کے دوران اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کیا۔ اب آہستہ آہستہ اس جماعت کو پتہ چلے گا کہ اس کے چھوٹے بڑے کارکنوں نے دیہات میں بلوائیوں اور راہزنوں کے ساتھ شریک ہو کر جو کردار ادا کیا، اسکی وجہ سے ان کی حکومت کے لئے کس قسم کے سنگین مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ان سب سوالات کو تسلی بخش طور پر حل کرنا اور اپنے سیاسی حریفوں کے سوالات کا جواب دے کر عوام کو مطمئن کرنا اب اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ نیشنل کانفرنس کے حریفوں نے بھی محسوس کر لیا کہ شیخ عبداللہ کے بعد انہیں جماعت کی منظم طاقت کا سامنا ہو گا۔ اس لئے اندرا کانگریس جیسی نیشنل کانفرنس مخالف تنظیموں نے بھی موقعہ کو غنیمت جان کر

ان بلوؤں میں حصہ لیا۔ یہی حال دوسرے اقلیتی سیاسی گروپوں کا بھی رہا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ ایک جماعت اسلامی کے اثر و رسوخ کو توڑنا دوسرا شیخ عبداللہ کی سرکار کے لئے امن اور قانون اور تباہ حال لوگوں کی بحالی کے پیچیدہ مسائل پیدا کرنا۔

### پاکستانیت اور شخصیت پرستی

یہ بات بلامبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ کشمیر کے عوام ۱۹۴۷ء سے ہی پاکستان کے ساتھ عقیدت کے جذبے سے سرشار رہے ہیں لیکن ۷۲۔۔۔۱۹۷۱ء کے بعد مملکت پاکستان کی محبت، مسٹر بھٹو کی ذاتی عقیدت میں بدل گئی، جس کے اسباب واضح طور پر خود کشمیری مسلمانوں کے مزاج کے ساتھ ان کی سیاسی محرومیوں و نامرادیوں، سیاسی و تعلیمی، سماجی و اخلاقی تربیت پاکستان کے سرکاری و نیم سرکاری ذرائع ابلاغ کے انداز پروپیگنڈا اور خود سابق وزیراعظم مسٹر بھٹو کی خارجی اور خاص کر امور کشمیر سے متعلق سیاست کاری کے منفرد اسلوب میں پوشیدہ ہیں اور یہاں ان سے بحث مقصود نہیں۔ جب ایک شخصیت کی عقیدت نے مملکت کی محبت کی جگہ لی تو پھر یہ آگ سینوں میں روز بہ روز تیز تر ہوتی گئی اور کشمیری عوام نے سابق وزیراعظم اور ان کی حکومت پر پاکستانی سیاست دانوں کی کسی تنقید کو پسند نہیں کیا۔ جب پاکستان قومی اتحاد وجود میں آگیا، اور مملکت کے حکمران کی سیاست اور قیادت کو گلیوں اور کوچوں میں گرج دار چیلنج ملا، تو کشمیری عوام نے جگہ جگہ پی، این، اے کی مخالفت کی۔ پی این اے میں جماعت اسلامی کے علاوہ ملک کی سبھی سیاسی جماعتیں اور مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقے سنی شیعہ، اہل حدیث، دیوبند اور بریلوی شامل تھے۔ باہمی دشمنیوں کے باوجود وہ مسٹر بھٹو کے خلاف متحد تھے۔ کشمیری مسلمان بھی ان ہی مذہبی جماعتوں اور فرقوں پر مشتمل ہیں۔ کشمیری جماعت نے اس سارے منحصر کے دوران مدبرانہ انداز اختیار نہ کیا۔ حریف مذہبی، نظریاتی اور سیاسی تنظیموں نے ماحول کو غنیمت جان کر یک زبان ہو کر اس کے خلاف اپنی پروپیگنڈہ مہم شروع کی۔ اس بحث سے قطع نظر کہ ان سب عناصر کو ذوالفقار علی بھٹو سے ہمدردی تھی کہ نہیں، لیکن انہیں کشمیر میں جماعت کے خاتمے سے ضرور دلچسپی تھی۔ مسٹر بھٹو کی معزولی، ان کی گرفتاری اور پھر ان کے

خلاف مقدمہ قتل کے آغاز سے جماعت اسلامی کشمیر کے خلاف ملامت اور نفرت اور بھی تیز ہو گئی۔ جب مسٹر بھٹو کے خلاف لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ نشر ہوا، تو یہ نفرت سرکوں پر تشدد آمیز مظاہروں میں بدل گئی اور مسجدوں میں واعظوں نے نفرت کی آگ کو بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی پارٹ ادا کیا۔ اخبارات خاص کر نئی دہلی کے ”عوام“ اور ”نئی دنیا“ نے تجارتی اغراض کو دیکھ کر سنسنی خیز مبالغوں سے ۱۹۷۷ء سے مسلسل کشمیر میں نفرت اور انتقام کی آگ جلائی تھی کشمیر دونوں کی کامیاب منڈی بن گیا۔ اور اس منڈی پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے انہوں نے ہر ہفتے نئے نئے شوٹے لکھے۔ یہاں تک کہ چار اپریل ۱۹۷۹ء کی وہ بد قسمت اور حسرتناک تاریخ آ گئی جب جذبات کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ہجوم بے لگام چھوڑ دیئے گئے۔ آدمی درندے بن گئے، اور کوئی رہنما نہ رہا، سب راہزن بن گئے۔ طالع آزما نوجوان اور سیاست پیشہ عناصر مرثیہ خوانوں کے آگے آگے آ گئے، اور انہوں نے مشتعل مظاہرین کو خوش کرنے کے لئے وہ سب کچھ کہا اور کیا، جس کی بنیاد پر انہیں یہ یقین تھا کہ مرحوم بھٹو کی پھانسی پر وہ کشمیر کے عوام میں اپنی شہرت و مقبولیت کا تاج محل تعمیر کر سکیں گے۔ اس طرح تمام سیاسی و مذہبی، سرکاری و غیر سرکاری اور کمیونسٹ و سیکولر اور دوسرے طالع آزما عناصر نے مل کر غارت گری اور آتش زنی کا سب سے بڑا ڈراؤنا ننگا ناچ کیا۔

### سماج دشمن عناصر کی شرکت

اس انار کی اور نزاج کو دیکھ کر سماج دشمن اور جرائم پیشہ عناصر مثلاً ”لیرے“، ڈاکو اور راہزن کہاں آرام سے بیٹھنے والے تھے، وہ بوریاں، تھیلے، کھانڈے، ہتھوڑے اور نیچے لے کر مرثیہ خوانوں میں شامل ہو گئے اور انہوں نے بھی لوٹ مار میں حصہ لے کر اپنے اپنے گھر بھرنے کی کوشش کی، دیہات میں لوگوں کی آپسی رقابتیں اور عداوتیں چکانے کے لئے بھی یہی، وقت موزوں خیال کیا گیا، چنانچہ ایک دوسرے کی صحیح یا غلط نشاندہی کر کے دیہاتیوں نے آپس میں ایک دوسرے سے انتقام لے ہی لیا۔

### ایڈمنسٹریشن کی مجرمانہ غفلت

میری دیانتدارانہ اور یقینی رائے ہے کہ مندرجہ بالا اسباب و عوامل کی

موجودگی کے باوصف سانحہ کشمیر ۱۹۷۹ء واقع نہ ہو جاتا، اگر کشمیر کی انتظامی مشینری اپنے آئینی، قانونی اور سرکاری فرائض ادا کرتے ہوئے شورش پسندوں اور راہزنوں کی مشترکہ یلغار سے لوگوں کی جان، مال، آبرو بچانے کے موثر اقدامات کرتی۔ لیکن حسرت ہے کہ وزیر اعلیٰ خود جائے واردات سے دور پنجاب کے دورے پر رہے، اور ان کی انتظامیہ نے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کر کے بلوائیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ کشمیر کی ایڈمنسٹریشن نے تین روز تک وادی کشمیر کو ایک سینما ہال اور اس ساری لوٹ کھسوٹ کو ایک سنسنی خیز جنگی فلم سمجھتے ہوئے اس کا تماشہ دیکھا۔ وہ اس کو قومی سانحہ سمجھتے تو ضرور مداخلت کر کے بلوائیوں کو سیدھے راستے پر لے آتے اور حکومت کے پاس وادی میں اتنی بھاری طاقت تھی کہ جس کے معمولی استعمال پر بے لگام شورش پسند سلیقے کا سبق حاصل کر لیتے۔ ماتم اور احتجاج ضرور ہوتا، جس کا حق عوام کو حاصل ہے۔ لیکن اس میں وقار اور اعتدال ہوتا۔ اس لئے سانحہ کشمیر کے ملزموں کی فہرست میں کشمیر ایڈمنسٹریشن کا نام سرفہرست آنا چاہئے۔

سانحہ کشمیر کے دوران مظاہرین نے پہلی بار سرکاری املاک پر حملہ کرنے سے مکمل گریز کیا۔ اس کے برعکس چار اپریل کو مشتعل عوام نے سونہ وار سری نگر میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر کے اسے نذر آتش کرنے کی کوشش کی۔ اندرا، عبداللہ معاہدہ کے بعد مرکزی حکومت نے کشمیر کی سرزمین پر اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کی بدستور موجودگی کو ناپسند کیا ہے اور ان پر اعتراض کرتے ہوئے انہیں واپس بلانے کی مانگ بھی کی۔ برعکس اس کے تنازعہ کشمیر کو حل طلب ماننے والوں نے ہندوستان کی دلیل سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ اس پس منظر میں معاملے پر غور کیا جائے تو ایک انسان آسانی کے ساتھ سمجھ لے گا کہ ماتم کرنے والے مظاہرین میں کتنے قسم کے عناصر شامل ہو گئے تھے۔ اور اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے مرکز پر بلوہ کرانے کے لئے تارکن عناصر نے ہلائی ہو گی بہر حال وہ کوئی بھی ہو اسے کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کے سوال پر ایمان نہیں ہوگا۔

### پاکستان اور آزاد کشمیر کے خلاف نعرے

کشمیر کی تین روزہ غارت گری کے دوران میں مظاہرین نے پاکستان اور آزاد کشمیر کے خلاف بھی توہین آمیز نعرے بلند کئے انہوں نے پاکستان کی مملکت توڑنے،

اسے صفحہ ہستی سے مٹانے اور آزاد کشمیر پر چڑھائی کر کے اسے ہند کے تسلط میں لانے کی مضحکہ خیز اور احمقانہ شیعہ خیال ماریں، اس سلسلے میں یہ نکتہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ آزاد کشمیر کو ختم کرنے کے بارے میں مسز اندرا گاندھی اور ان کی کانگریس پارٹی آف کشمیر اور نیشنل کانفرنس کے خیالات کئی بار عوام کے سامنے آئے ہیں۔ لہذا سیاسی مشاہدین کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہو سکتی کہ اپریل کے بلوؤں میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے خلاف نعرے بازی میں کس قماش کے عناصر کا حصہ تھا۔ اسی طرح ہندوستان کی سرانرساں ایجنسیوں کے رول اور کردار کو بھی اس پس منظر میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلاشبہ یہ نعرے کشمیری مسلمانوں کے سوا اعظم کے نعرے نہیں تھے

بہر کیف کشمیری عوام جو برس ہا برس سے آزادی و خود اختیاری کی تلاش کر رہے ہیں۔ ۴ اپریل ۱۹۷۹ء انہوں نے آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ جس پر اب وہ شرمسار ہیں۔

یہ صورت حال ۱۹۷۷ء تک یکسر بدل گئی۔ جب جنرل محمد ضیاء الحق بہاول پور میں ایک ہوائی حادثے کا شکار ہوئے۔ رات کو حادثے کی خبر سننے ہی مقبوضہ کشمیر کے طول و عرض میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے، جس نے ضیاء لہر کی صورت اختیار کی۔ اور ۳ روز تک پورے مقبوضہ علاقے میں زندگی کا سارا کاروبار مفلوج ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادامی باغ سرینگر کے چھاؤنی علاقے کے اندرونی مارکیٹوں میں مکمل ہڑتال کی وجہ سے سکتہ طاری ہو گیا۔ مغرب کے فوراً بعد سرینگر میں بڑے پیمانے پر جنرل ضیاء الحق کے ماتم میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ جنہوں نے بھارت اور بھارت نواز جماعتوں اور سیاست دانوں کے خلاف ہنگاموں کی شکل اختیار کی۔ ہزاروں لوگوں کے دل کے دل ڈاؤن ٹاون سرینگر اور گرد و نواح سے لال چوک امیر اکدل کی طرف پیدل مارچ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ شہر میں مشتعل عوام، نیشنل کانفرنس انڈین نیشنل کانگریس اور بھارتی سرکار کے دفاتر، بلڈنگوں اور بھارت نواز جماعتوں کے سائن بورڈوں کا وہی حشر بناتے جو ۴ اپریل ۷۹ء کو احمدی فرقے اور جماعت اسلامی کے دفاتر اور املاک کا بنایا گیا تھا کہ فوج اور نیم فوجی دستوں نے غیر معمولی عجلت کے ساتھ پورے شہر کو اپنی گرفت میں لیا یوں وادی میں فوجی اور نیم فوجی دستے بچھائے گئے اور سرینگر میں فوج نے بادامی باغ سے ہی فلیگ مارچ شروع کیا۔ ضیاء لہر سے پیدا شدہ غم و غصے کو ٹھنڈا

کرنے کے لئے وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ بھی سرینگر آئے۔ انہوں نے کشمیری عوام سے خطاب کیا جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں کی الم ناک موت پر اظہار افسوس کیا اور پاکستان اور پاکستانی عوام کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اس طرح مقبوضہ کشمیر اس قسم کی انارکی اور بردباری سے بچ گیا جس نے ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو اسے اپنی لیٹ میں لے کر بے بس اور بے سرو ساماں کر دیا تھا۔

اپریل ۱۹۷۹ء کی بھٹو لہر ہو یا اگست ۸۷ء کی ضیاء لہر دونوں کو اپنے صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اہل کشمیر کی سیاسی محرومیاں کیا ہیں اور مایوسیوں کے کتنے ڈراؤنے اور گھنے اور طویل بادل چھائے ہوئے ہیں جن سے ہمارے عوام کی سیاسی نفسیات پروان چڑھی ہے۔ یہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ کشمیری عوام نے کبھی شیخ عبداللہ کو اپنا محبوب بنایا کبھی وہ سقوط ڈھاکہ پر روئے اور چولے بچھائے، کبھی ذوالفقار علی بھٹو پر فریفتہ ہوئے اور کبھی جنرل محمد ضیاء الحق کو اپنی آرزوں کا محور اور مسیحا ٹھہرایا۔ پاکستان اور پاکستانی مسلم شخصیتوں کی محبت میں کشمیری عوام کو ہمیشہ اپنی سیاسی آزادی کا معشوق چمپا ہوا دکھائی دیا۔ اور یقیناً یہ لوگ ایک ایسے عہد کا خواب دیکھتے رہے جس میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور اسلامی شخصیتوں کے کردار کے جلوے نمایاں ہوں۔ لیکن افسوس کہ صدیان بیت گئیں اور ملکہ کشمیر حبہ خاتون کی ساری جوانی زعفران زار وادی میں روتے رلاتے تمام ہوئی۔ جس طرح سلطنت مغلیہ کے تاجدار جلال الدین محمد اکبر کو اپنی دھاندلی اور مکاری پر ندامت نہ ہوئی اور نہ حبہ خاتون کی صحرا نوردی، بے بسی اور آنسوؤں پر رحم آیا، اسی طرح موجودہ بھارت کے ہندو نیتاؤں کو کشمیر میں اپنے کروت پر کوئی شرمندگی ہے اور نہ بچوں اور عورتوں کی آہ و فریاد کا کوئی احساس ہے۔

بات کیا ہے کہ دوسروں کے کام آنے والے اوروں کی خاطر رونے اور مرنے والے خود بے بس اور بے سرو ساماں ہو گئے! عبداللہ کو برسوں تک معبود ٹھہرا کر معبود حقیقی ہم سے خفا تو نہیں ہوئے؟ سامری کے چھڑے کو الہ سمجھنے والے بنی اسرائیلیوں کو تو اسرائیلی ریاست ہماری آنکھوں کے سامنے مل گئی اور اب دیکھتے دیکھتے تسلیم بھی ہو گئی ہے۔ افسوس کہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو اور مرحوم ضیاء الحق کی لہروں نے ابھی تک ہمارے زخموں کا مداوا نہ کیا ہم ساری عمر مظلوم اقوام کی خاطر عالم اسلام کے لئے فلسطین، افغانستان، ایران اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سڑکوں



پر سینہ کوبی کرتے رہے لیکن کوئی یو این او اور نہ کوئی او آئی سی، کوئی عرب لیگ اور نہ کوئی نام (این اے ایم) ہماری مدد کو آتا یہاں تک کہ بھارت کے آدم خواروں اور عصمت کے دشمنوں نے کشمیر کے سبز قالین کو سرخ کیا اور عصمتوں کو بے دردی کے ساتھ پامال کیا۔

آج کشمیر میں کشمیر کی لہر ہے، شہیدوں کے قافلے ہیں اور بچے مندی لگا کر اور کفن پوش ہو کر چل رہے ہیں۔ میں اپنے واردات غم چھپا نہیں سکتا ہوں۔ پاکستان میری امید بھی ہے اور غصہ بھی۔ حافظ کا یہ نکتہ بھی ڈھونڈے۔۔۔

درد عشق ارچہ دل از خلق نماں میدارد  
حافظ ایں دیدہ گریان تو بے چہرے نیست!  
(ترجمہ) دل اگرچہ درد عشق کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ حافظ تیری یہ روتی آنکھیں بے سبب نہیں ہیں۔

بہ این ہمہ وادی کشمیر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس پر آشوب دور میں بھی یہ پیغام دیتی ہے۔۔۔

یوسف گم گشتہ باز آید یہ کنعاں غم مخور

## محمد مقبول بٹ کے حق میں مظاہرے

جون ۱۹۸۰ء میں یہ خبریں گھونسنے لگیں کہ حکومت عنقریب تھار جیل دہلی میں مقید جناب محمد مقبول بٹ کو سولی پر لٹکانے والی ہے۔ کیونکہ ان کی درخواست رحم بھارتی صدر نے مسترد کر دی ہے۔ ان خبروں سے کشمیر کے حریت پسند حلقوں میں خاصا اشتعال پیدا ہونے لگا۔ اور یقین کیا جانے لگا کہ ہندوستان نو آبادی حکمرانوں کی تقلید کا ثبوت، اہم کر رہا ہے۔ اس موقع پر ہم نے محسوس کیا کہ محمد مقبول بٹ کی قیمتی زندگی کے سوال پر کشمیریوں کی حیثیت سے ہم پر بھی کچھ ذمہ داریاں عاید ہو رہی ہیں، حکمرانوں کو یہ اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وہ ایک حریت پسند کشمیری کو سولی پر چھائیں۔

ادھر سب ہی جانکار لوگ اس بات کے قائل تھے کہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۷ء تک سینٹرل جیل سری نگر میں ایک خصوصی بند عدالت میں مقبول صاحب کے خلاف جن حالات میں مقدمہ چلایا گیا تھا وہ موصوف اور ان کے ساتھیوں کے لئے مکمل بے یاری و مدد گاری کے حالات تھے۔ اور انہیں اپنا دفاع کرنے اور اس سارے قضئے میں اپنی صفائی پیش کرنے کے دوران اول سے آخر تک صرف ناساز گار حالات کا سامنا تھا۔ چنانچہ اس سوال پر غور کرنے کے لئے ہماری تنظیم پیپلز لیگ، اسلامی جمعیت طلبہ اور محاذ آزادی کے رہنماؤں کے درمیان ۷ اور ۹ جولائی کو سری نگر میں دو اجلاس ہوئے اور ایک لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے مشترکہ فورم جیسی تجویز بھی زیر بحث آئی۔ ان اجلاسوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کے شیخ جنرل اسلام، محاذ آزادی کے جنرل سیکرٹری بشیر احمد بٹ اور راقم بہ حیثیت چیئرمین پیپلز لیگ اور بشیر احمد شاہ جنرل سیکرٹری شامل ہوئے۔ ایک مشترکہ فورم کے قیام کی تجویز تو آگے نہ بڑھ سکی، البتہ محمد مقبول بٹ کی سزائے موت کے خلاف مہم چلانے کے لئے مشترکہ مظاہروں اور جلسوں کا پروگرام ترتیب دینے پر اتفاق رائے ہوا اس طرح ۱۳ جولائی کو اسلام آباد میں ۱۶ جولائی سوپور میں، ۱۷ جولائی کو بارہ مولہ کے چوکوں میں ہمارے مظاہرے اور جلسے ہوئے۔ ان مظاہروں اور جلسوں میں بٹ صاحب کی رہائی، سزائے موت کی منسوخی اور رہائی کے علاوہ حق خود ارادیت اور اسلامی انقلاب کی حمایت میں نعرے بلند کئے گئے، اور حکومت ہند کو یاد دلایا گیا کہ وہ کشمیر کے بارے میں اپنے بین الاقوامی وعدے پورے

کرے اور کشمیریوں کو خود ارادیت کے مسئلہ پیدائشی حق کے ذریعے اپنا مستقبل حتی طور پر طے کرنے کا جائز جمہوری موقعہ دے۔

## سری نگر کا المیہ

حادثہ اور لوٹ مار

۱۹۸۰ء میں جو واقعات پیش آئے ان میں سب سے بڑا لرزہ خیز اور دلوں کو دہلانے والا واقعہ - نہیں المیہ ۲۶ اور ۲۷ جولائی کو پیش آیا۔ یہ المیہ ایک معمولی ٹریفک حادثے سے پھوٹ پڑا۔ جس میں ہندوستان کی باقاعدہ مسلح افواج نے سری نگر کے غیر مسلح اور بے قصور شہریوں پر وحشیانہ ہلہ بول کر نصف شب تک مار دھاڑ کا ننگا نائج کیا۔ یہ ایک وحشتناک سانحہ تھا، جو زمانہ امن میں پیش آگیا۔

یہ رمضان المبارک کی ایک مہینچروار تھی، اور ہم نے تیرہواں روزہ افطار کیا تھا۔ شب کے نو بجے جب کہ عوام کی اکثریت افطار کی خاطر گھروں کے اندر تھی یا مسجدوں میں تراویح میں مصروف تھی اور لال چوک اور امیر اکدل کی سڑکوں پر لوگوں کے ہجوم گھٹ چکے تھے کہ سونہ دار کے قریب ایک فوجی گاڑی نے ایک آٹو رکشہ کو اپنی زد میں لایا جس سے تین آدمی زخمی ہو گئے۔ گاڑی کے ڈرائیور نے فرار ہونے کی کوشش کی، لیکن ایک ہجوم نے اس کو پکڑ کر سول پولیس کے حوالے کر دیا۔ جس نے ڈرائیور کو قریبی پولیس اسٹیشن کو بھی باغ پہنچایا۔ یہ خبر بادامی باغ فوجی چھاؤنی اور ٹٹو گراؤنڈ ہند مالو بھی پہنچی، جہاں فوجی ڈرائیور کی حراست کو فوجیوں نے اپنی فوجی امانیت اور احساس برتری کے لئے ایک چیلیج تصور کر لیا۔ اس کے بعد فوجی سول لباس پہن کر 'ڈنڈوں' ہاکی سٹکوں، رائفلوں وغیرہ سے لیس ہو کر چھاؤنی سے ٹرکوں میں سوار ہو کر ریگل چوک اور لال چوک کی طرف دوڑے۔

سب سے پہلے بے لگام مشتعل فوجیوں نے کوٹھی باغ پولیس تھانے پر دھاوا بول دیا۔ جہاں پولیس افسروں اور سپاہیوں کی بھرپور مرمت کر کے، انہوں نے فوجی ڈرائیور کو چھڑا لیا۔ اس بلوے میں فوجیوں نے چند ایک ڈنڈے شر کے سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر وٹالی پر بھی برسا کر ان کی ہندوستانی کھوپڑی کے اوسان خطا کر دیئے اور ان کے ہندوستانی قلب کو بھی مجروح کیا۔ پولیس کی خوف زدگی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی مدافعت کے بغیر ہی یہ فوجی زدو کوب سہتی رہی اور ہمت کا معمولی ثبوت بھی نہ دیا۔ یہ وہی پولیس ہے جس کی گولیوں اور ڈنڈوں نے آج تک کشمیریوں کی نامعلوم تعداد کو سڑکوں پر اور پوچھ گچھ کے تعذیب خانوں میں لہولہان کر دیا ہے اور یہ وہی ایس 'پی' ہیں، جن پر انگریزی کا یہ مقولہ ٹھیک ٹھیک صادر آتا ہے :-

”More Loyal Than The King“ یعنی بادشاہ سے بھی زیادہ وفادار۔

ان کا زخمی سر تو مندمل ہو گیا، لیکن اب انہیں تازیانہ عبرت یاد نہیں ہے۔

پولیس تھانے میں پولیس والوں کی خبر لینے کے علاوہ بدست فوجیوں کی منظم ٹولیوں نے ریگل چوک سے ہندو مالو تک راہ گیروں کو اپنے اچانک حملوں سے دم بہ خود اور دہشت زدہ کر دیا۔ انہوں نے مار دھاڑ سے سارے علاقے میں ہر سامنے آنے والی چیز اور جان کے خلاف نراج اور درندگی کا رقص کیا۔ مثلاً ”پرائیویٹ گاڑیاں“ موٹر کاریں، ٹیکسیاں، سکوترس، رکشاں، ہائیسکلز، دکاناں، ٹی شال، بس اڈے، ٹیکسی اڈے، راہگیر، پولیس اور ٹریفک سپاہی حتیٰ کہ بچے اور خواتین بھی ان کے بلوؤں سے بچ نہ سکے۔ فوجی بلوائیوں کے راستے میں ایک مرغ فروش اپنے مرغوں سمیت پھنس گیا۔ جوانوں نے اس کے مرغ چھین کر، ان بے زبان جانوروں کی گردنیں مروڑ دیں۔ کے، ایم، ڈی کے قریب ایک پولٹری دکان کے مرغ، مرغیاں اور انڈے بھی اسی طرح لوٹ لئے گئے۔ دہشت گرد فوجیوں نے فائر بریڈ کے جوانوں کو بھی زخمی کر دیا جو دکانوں اور گاڑیوں کو نذر آتش کئے جانے کے دوران آگ بجھانے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ریاست کے نامور معالج ڈاکٹر علی محمد جان کے ایک اخباری بیان کے مطابق فوجیوں نے کے، ایم ڈی لال چوک کے قریب ایک مقام پر ان کی گاڑی پر بھی حملہ کر دیا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب بال بال بچ گئے۔ دکانوں اور گاڑیوں کی آتش زنی کے دوران فوجی ٹولیوں نے مولانا آزاد روڈ ٹیکسی اسٹینڈ میں تقریباً ”چالیس ٹیکسیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ جن میں بارہ ٹیکسیاں خاکستر ہو گئیں۔ ٹیکسی اسٹینڈ کے آفس کا سارا سازو سامان لوٹ لیا گیا۔ اسی طرح منی بس اسٹینڈ کے احاطے میں بھی بہت سی دکانوں، گاڑیوں، ٹمپوؤں، بسوں اور تھری ویلروں کو جلایا گیا، مار دھاڑ، غارت گری اور آتش زنی کا آغاز پہلے تو بادامی باغ چھاؤنی کے فوجیوں نے کیا، بعد میں ٹوگر اوڈنڈ کے فوجی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ہنومان مندر کے قریب ایک ٹیکسی کو جلانے کے بعد فوجیوں نے اسے دریائے جہلم میں پھینک دیا۔ یعنی گواہوں کے بیان کے مطابق فوجیوں کے طریق کار ہے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے افسروں کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہیں کیونکہ وہ وسل کی آواز پر ہی گاڑیوں سے اترتے یا ان پر چڑھتے تھے۔ رات کے گیارہ بجے ٹرکوں میں بندوقوں سے لیس فوجی اپنی بندوقیں ہوا میں لہراتے ہوئے بڑ شاہ پل اور امیر اکدل کے نئے پل سے گذرے۔ بتایا جاتا ہے کہ ٹوگر اوڈنڈ سے ہکتی مان ٹرکوں کا جو قافلہ آیا اس کی قیادت ملٹری پولیس کا ایک ون ٹن جھونکا رہا تھا۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے جہانگیر ہوٹل کے پاس اندھا دھند فائرنگ کی گئی، لال چوک میں گندا سنگھ بلڈنگ کے قریب چند پرائیویٹ کاروں اور آٹو رکشاؤں کو بھی نذر آتش کیا گیا، اور نیلم سینما کے نزدیک چند چھوٹے ہوٹلوں کو لوٹ لیا گیا۔

غرض یہ ایک ڈراؤنا منظر اور عظیم سانحہ تھا، جو کئی گھنٹے تک جاری رہا اور امیر اکدل کے آس پاس رہنے والوں کی یہ چاندنی شب رمضان، شب محرم میں بدل گئی۔ حسرت ہے کہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اس بربریت کو روکوانے اور اپنے عوام کو اس پتا کی تاریکیوں سے چھڑانے کے لئے کوئی جرات مندانہ اقدام نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کی ذاتی رہائش گاہ متاثرہ علاقے میں ہی ہے۔ اور وہ بہ نفس نفیس وہاں موجود تھے۔

### ہڑتال اور مظاہرے

اس مار دھاڑ اور سفاکی کے خلاف عوام کا رد عمل قدرتی طور پر سخت غضب ناک تھا۔ جس کے نتیجے میں ۲۷ جولائی آیت وار کو سری نگر میں ٹرانسپورٹ کا پورا نظام معطل ہو گیا۔ نہ صرف سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں بلکہ خود سری نگر شہر میں مختلف حصوں کے درمیان پبلک ٹرانسپورٹ کے تمام رابطے منقطع ہو گئے۔ ریڈیو کشمیر سری نگر نے رات کے المناک واقعات کی خبروں کا مکمل طور پر بلیک آؤٹ کر دیا۔ جس کی وجہ سے مفصلات دن بھر اصل صورت حال سے بے خبر رہے۔ سری نگر کے متاثرہ بالائی علاقوں میں مشتعل اور غم زدہ عوام نے فوج کی بربریت کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے اور زخمی لوگوں کو دیکھنے کے لئے صدر ہسپتال کی طرف ان کا تانتا بندھا رہا۔ مسلح پولیس اور مظاہرین کے درمیان جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں۔ مظاہروں کو روکنے کے لئے پولیس نے لاشیوں، ٹیرگیس کے گولوں اور ہوائی فائرنگ سے خوب کام لیا۔ لال چوک میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی تقریر کے پروگرام کا ڈھنڈورا بجانے والی جیپ گاڑیوں پر شہر کے کئی مقامات پر مظاہرین نے سنگ باری کی اور لال چوک میں قائم کئے گئے۔ سٹیج پر حملہ کیا گیا۔ خود وزیر اعلیٰ کی تقریر کے دوران عوام نے احتجاج کیا، اور ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ شام کے وقت مظاہرین نے بڑ شاہ چوک میں ایک جیپ گاڑی نذر آتش کی اور ایک اور جلوس نے زیرو برج کے بی، ایس، ایف بیٹ کو نذر آتش کر دیا۔ بیٹ کے سیاہی اس سے پہلے بیٹ کو چھوڑ کر فرار

ہو چکے تھے۔

سوموار ۲۸ جولائی کو سری نگر کے علاوہ اسلام آباد، سوپور، بارہ مولہ، بانڈی پورہ، ترال، شوپیاں، پلوامہ وغیرہ میں بھی سانحہ سری نگر کے احتجاج میں تمام کاروباری ادارے اور تعلیمی ادارے بند رہے اور اسلام آباد، سوپور، بارہ مولہ اور بانڈی پورہ میں احتجاجی مظاہرے اور جلے ہوئے، اور کئی مقامات پر مسلح پولیس اور غم زدہ مظاہرین کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ اسلام آباد میں عوام نے سیاہ پرچم اور پاکستانی پرچم تھام کر ہند کے خلاف اور پاکستان کے حق میں نعرے بلند کئے۔ سری نگر میں سب سے پہلے بعض غیر مسلموں نے احتجاجاً اپنی دکانیں بند رکھیں۔ کیونکہ انہوں نے الزام لگایا کہ ایت وار کو مظاہرین نے ان کی دکانوں کو لوٹا تھا اس ہڑتال کے خلاف مسلمانوں نے بھی اپنا کاروبار بند رکھا۔ جس کو ناکام بنانے کے لئے آئی جی پولیس، خفیہ پولیس کے اعلیٰ و ادنیٰ لوگ کشمیر آرمد پولیس، بی، ایس، ایف اور ڈپٹی کمشنر آندھی کی طرح شہر بھر میں حرکت میں آ گئے اور انہوں نے جبراً لوگوں کی دکانیں کھولنے کی ناکام کوششیں کیں۔ ڈی سی سری نگر نے اپنی وفاداری کا مزید ثبوت فراہم کرنے کے لئے تاجروں کو دھمکی دی کہ اگر وہ ہڑتال پر قائم رہے تو انہیں گولیوں سے اڑایا جائے گا۔

زینہ کدل میں عبدالرشید کابلی ایم ایل اے (صفا کدل حلقہ انتخاب) گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔ موصوف مولوی فاروق کی ہدایت کے تحت مظاہرین کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے سڑک پر نمودار ہو گئے تھے۔ اسی روز شام کو سری نگر میں انسپکٹر جنرل پولیس پیر غلام حسن شاہ نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ سینچو کی رات اور ایت وار کی وارداتوں میں چھ افراد ہلاک ہو گئے ہیں جن میں پانچ گولی لگنے سے ہلاک ہو گئے اور ایک کی موت اس کے سر پر لال چوک کے ٹیکسی سٹینڈ میں لڑھکیاں برسنے سے ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ سینچو کی رات کو ۱۶ شہری اور نو پولیس والے جب کہ ایت وار کو چھ شہری اور نو پولیس والے زخمی ہو گئے، اور چالیس آدمی اب تک گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغل محلہ چھتہ بل کے سولہ سالہ مشتاق احمد، کرن نگر کے ۲۰ سالہ آفتاب احمد گگری بل کے ۱۹ سالہ فاروق احمد ڈار، لال نگر چھانہ پورہ کے ۲۱ سالہ فیاض احمد عبداللہ گنٹائی مرن پلوامہ۔ محمد حنیف درویش اوڑی ہلاک ہو گئے۔ لیکن غیر سرکاری طور پر سات بلکہ اس سے بھی زیادہ افراد کے جاں بحق ہونے کی اطلاع ملی۔ اور مرنے والوں میں شبیر احمد دریش کدل کا نام بھی اخباروں میں

آگیا۔ مشتاق احمد کو راہ چلتے جہانگیر ہوٹل کے نزدیک ایک فوجی گاڑی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا، اور محمد فاروق کو نمائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے چار گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ آفتاب احمد کو اپنے بھائی کی شادی کی خاطر پاکستان سے سری نگر آئے ہوئے صرف چند یوم ہوئے تھے۔

### ٹریبونل کا فیصلہ

وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی اکارڈ گورنمنٹ نے سانحہ سری نگر کی تحقیقات کروانے کے لئے ایک سابق چیف جسٹس جموں و کشمیر ہائی کورٹ میاں جلال الدین پر ایک نفی ٹریبونل کے قیام کا اعلان کر دیا، جس نے کئی سو صفحات پر مشتمل ایک تحقیقاتی رپورٹ مرتب کر کے ۱۹۸۱ء میں حکومت کو پیش کی لیکن یہ رپورٹ ابھی تک منظر عام پر نہیں لائی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ رپورٹ کی ایک کاپی فوج کو بھیج دی گئی ہے۔ جس کا ایک نسخہ حکومت کشمیر کے شعبہ داخلہ میں سخت احتیاط کے ساتھ خفیہ رکھا گیا ہے۔ اور اسے راز رکھنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس اہم دستاویزی رپورٹ کے افشاء سے دہلی اور سری نگر کے حکمرانوں کے تعلقات میں خوفناک دراڑ پڑنے کا اندیشہ تھا اور حکومت کشمیر اس قسم کا کوئی خطرہ اور غصہ مول لینے کی طاقت اور آرزو نہیں رکھتی تھی۔ رپورٹ کی اتنی سخت رازداری سے یہ اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں رہا ہے۔ کہ ۲۶، ۲۷ جولائی کی شبانہ فوجی جارحیت کی تحقیقات کرتے ہوئے چشم دید واقعات اور متاثرین کے بیانات سے ٹریبونل نے جو نتیجہ اخذ کیا اور جو فیصلہ صادر کیا وہ فوج کو مجرم اور خطاوار قرار دیتا ہے، اور عالمی سطح پر ہندوستانی افواج کے کریکٹر اور ڈسپلن کی بدنامی اور بے آبروئی کا باعث بن سکا۔ جدید دور میں کسی قومی سلامتی فوج کی بدنامی قوموں کی عالم گیر برادری میں پوری قوم کے وقار کو پیوند خاک کر سکتی ہے، ورنہ اس میں کیا تک تھی کہ ٹریبونل کی تحقیقات اور اس کا آخری فیصلہ منظر عام پر نہ لائے جاتے۔ بلاشبہ ٹریبونل اپنی اہمیت و افادیت اور اعتبار کھو بیٹھتے ہیں۔ جب ان کے فیصلے عوام کو نہیں سنائے جاتے۔ اگر حکومت کشمیر میں ایمان و ضمیر کی کوئی رمت باقی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ٹریبونل کے نتائج شائع کر دے، اور اسے موٹے مقدس کی چوری کے واقعہ کی طرح ایک راز بنا کر ستم رسیدہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ نہ کرے۔ اگر ٹریبونل کا فیصلہ ہمارے خلاف ہے تب بھی اسے سنایا جانا

چاہئے۔

### اثرات

۲۶ جولائی کی شبانہ غارت گری اور آتش زنی سے عام کشمیریوں کے دلوں میں محکومیت، محرومیت اور مظلومیت کا احساس جاگ اٹھا اور یہ بات ایک بار پھر ثابت ہو گئی کہ غالب عسکری طاقت اور ایک محکوم نہتی قوم کے درمیان ہونے والا کوئی بھی حسین اور دلفریب الفاظ میں لکھا گیا۔ معاہدہ، آزادی کی کھوئی ہوئی نعمت کا نعم البدل نہیں بن سکتا اسی طرح یہ حقیقت بھی لوگوں کے ذہن نشین ہو گئی کہ اندرا عبداللہ معاہدہ بس ایک سراب تھا۔ جسے ایک غالب عسکری طاقت اور تلاش اقتدار میں بے قرار عناصر نے آزادی اور حق خودارادیت کے سچے دیوانوں، پروانوں و پیاسوں کو بھٹکانے کے لئے مرتب کیا تھا۔

سری نگر کے المیہ نے کشمیریوں کو ایک برقی جھٹکا پہنچایا اس میں ارباب ہوش کے لئے عبرت کا سارا سامان موجود تھا۔ اسی حال میں ہم نے ماضی کی طرف نظر کیا تو ہمیں اپنے دفتر عمل نے جخل کر دیا۔ پھر ہم نے حال کا جائزہ لیا، تو ہمیں اپنی بے سرو سامانی، تن آسانی، دنیا پرستی، ایمان فروشی، ضمیر کشی، تفرقہ پسندی، عیاری اور عیش کوشی کی تصویر نظر آئی۔ حساس عناصر کے سامنے غور و فکر اور مستقبل کی تعمیر نو کے کچھ نئے خطوط اور زاویے آئے۔ لیکن پتہ چلا کہ سینکڑوں برس کی غلامی اور نصف صدی کی غلامی پسند اور مادہ پرست قیادت نے ہمارے قوائے عمل مفلوج بنا دیئے ہیں۔ ہمیں عمل بہیم، ثابت قدمی، سخت جانی اور سخت کوشی کی صفات سے محروم کر دیا ہے۔ ہمیں اچھائی کا نقاد، برائی کا مقلد۔ اور طاقتور کا نقال بنایا ہے۔ کیونکہ خود وطن کے جانے پہچانے سیاسی و مذہبی بت بے عمل عیش کوش، دنیا پرست اور حلیص ہیں۔ انہی کا قائم کردہ کھوٹا سکہ نہ کہ دین و شریعت کا کھرا سکہ، اب تک دلوں پر حاوی رہ کر ایمان و عمل کی تاراجی میں مسلسل کردار ادا کر رہا ہے۔ اس لئے ہم نے اس حادثہ غم سے مستقل عبرت حاصل نہ کی۔ غلامی اور مظلومیت کا احساس جاگ بھی اٹھا، تو پھر سو گیا۔ ہم اپنی پرانی ڈگر پر پھر سے چلنے لگے اور عذاب و عتاب کا مزید سامان پھر جمع کرنے لگے۔ حیرت ہے کہ جن حضرات کے راج تاج کی ساری حقیقت ۲۶ جولائی کی ٹریجڈی نے بے نقاب کر دی تھی، وہ پھر بھی نہ بدلے کوئی غیرت و حمیت بھی ان

میں پیدا نہ ہو سکی اور انہوں نے اپنی وفاداریاں ثابت کرنے کے لئے جمہوریت اور انصاف کی قبائیں مسلسل تار تار کیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اسی پھاڑے گئے دوپٹے کے لئے اپنی یہ اصطلاح برابر استعمال کر رہے ہیں۔ ”عزت و آبرو کا مقام“ اور اسی دعوے اور نعرے کے سایے میں حقوق کے پہرہ دار ہمارے حقوق پامال کر رہے ہیں۔ ہمیں ملا کر بھی خاک و خون میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک ہماری خاک لہ کے ذرے ہیں ان کے دامن پہ بار اب بھی

## سری نگر میں اسلامی کانفرنس کا حشر

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کا اقتدار اعلیٰ کشمیر میں ہمیشہ خوف اور اندیشوں کا شکار رہا ہے، اسے کبھی یہاں اپنے وجود کا اعتبار نہیں آیا ہے۔ لہذا وہ یہاں کی ہر چھوٹی بڑی تبدیلی حتیٰ کہ ایک ادنیٰ واقعہ پر بھی اپنی نگاہ مرکوز رکھتا ہے۔ اور یہاں پہنچ کر اسکی جمہوریت، آزادی صحافت اور آزادی اجتماع کے معانی ہی بدل جاتے ہیں۔ اس لئے ۲۶ جولائی کے حادثہ غم کے اثرات کا اس نے زبردست نوٹس لیا۔ اور ان اثرات کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے مرکزی اور ریاستی سطح پر ہر قسم کے اقدامات کئے گئے۔ پولیس کے ذریعے نوجوانوں اور طالب علموں کی پکڑ دھکڑ تیز کر دی گئی۔

اسی غیر یقینیت اور انتشار کے ماحول میں اسلامی جمعیت طلبہ جموں و کشمیر کی طرف سے سری نگر میں ایک اسلامی کانفرنس کے انعقاد کے دن قریب تر ہوتے گئے۔ مجوزہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں شرکت کے لئے اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کے ممتاز سیاسی و دینی رہنماؤں نے اپنی آمد کا یقین دلایا تھا۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس غیر معمولی اہمیت اختیار کرنے والی تھی۔ اور ممتاز شخصیتوں کی متوقع آمد کی خبر سے اس کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ ادھر جمعیت نے اپنا یہ فیصلہ نہیں چھپایا تھا کہ وہ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اسلامی دنیا کے ممتاز رہنماؤں کو کشمیر کے ذوق آزادی کی طرف متوجہ کرے گی۔ ۲۶ جولائی کے ایسے کے پس منظر میں اس کانفرنس کی طرف حکومت اور عوام دونوں کی توجہ مرکوز ہو گئی۔ سہ روزہ کانفرنس ۲۲ اگست سے شروع کئے جانے کا پروگرام تھا۔ لیکن حکومت نے مجوزہ کانفرنس کے انعقاد پر اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ اس لئے حکومت اور جمعیت کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو گئی۔ حکومت مجوزہ کانفرنس کو اپنے موقف کے لئے نقصان دہ اور جمعیت اپنے لئے اسے سود مند تصور کرتی تھی۔ کیونکہ ۲۶ جولائی کی ٹریجڈی کے زخم ابھی ہرے تھے۔ جس کی وجہ سے کشمیریوں کے دلوں میں ہندوستان سے آزاد ہونے کا جذبہ ایک بار پھر رقص کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ ممتاز بیرونی مہمانوں کی آمد کا پروگرام اور ان کی موجودگی میں مسئلہ کشمیر کا تذکرہ حکومت ہند اپنے لئے برا تصور کرتی تھی۔ دہلی کے حکمرانوں اور سری نگر میں ان کے ماتحتوں کو سب سے زیادہ خوف ان بیرونی

مہمانوں کا تھا۔ جن کی اس کانفرنس میں شرکت کا پروگرام طے پا چکا تھا۔ اس لئے کشمیری حکمرانوں نے کانفرنس کے داعیوں سے کہا کہ وہ مجوزہ کانفرنس ملتوی کر کے غیر ملکی مہمانوں کے دعوت نامے واپس لیں اور مدعو حضرات کو لکھیں کہ وہ کشمیر آنے کی زحمت گوارا نہ کریں لیکن داعیان کانفرنس نے حکومت کی تجویز کے جواب میں کہا کہ وہ اخلاقی طور پر ایسا غیر شائستہ اور منفی اقدام اٹھانے سے معذور ہیں۔ ہاں اگر حکومت چاہے تو وہ آپ اپنے ہتھکنڈے استعمال میں لا سکتی ہے۔ اب حکومت نے کانفرنس والوں سے کہا کہ وہ مجوزہ کانفرنس کو چند ماہ کے لئے ملتوی کریں۔ ورنہ اس کو خلاف قانون قرار دے بغیر کوئی دوسرا چارہ کار نہ ہو گا۔ یہ دھمکی وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ۳۱ جولائی ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں شہریوں کے ایک اجلاس میں دی۔ جمعیت طلبہ کے رہنماؤں کو یقین ہو چکا تھا کہ حکومت اپنی دھمکی پر عمل پیرا ہو گی۔ لیکن وہ اپنے فیصلے پر قائم تھے۔ اس لئے کہ انہیں اس میں اپنا روشن مستقبل نظر آرہا تھا۔ اگرچہ اس سوال پر ان کی سرپرست بزرگ تنظیم جماعت اسلامی کی صف قیادت دو حصوں میں تقسیم تھی۔ مجوزہ کانفرنس کی خوب تشہیر ہو چکی تھی اور عوام خاص کر کشمیری نوجوان اس کے انعقاد سے انقلابی نوعیت کی توقعات وابستہ رکھے ہوئے تھے، اس لئے کانفرنس کے داعیوں کو بجا طور پر امید تھی کہ مقررہ تاریخ پر لوگوں خاص کر نوجوانوں کی کثیر تعداد سری نگر آئے گی۔ لوگوں کے پرجوش تاثرات کے پیش نظر اصحاب جمعیت حکومت کے متوقع اتناہی احکامات کو نظر انداز کر کے کانفرنس بلانے کے لئے تیار تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر حکومت نے کانفرنس کو خلاف قانون قرار دیا تو سری نگر انقلاب کی پلیٹ میں آئے گا۔ اسی مخدوش صورتحال میں جب جمعیت طلبہ کے لیڈروں کو یہ اندازہ ہوا کہ حکومت کسی بھی قیمت پر انہیں کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دے گی تو انہوں نے سرینگر میں پانچ اگست کو ایک پریس کانفرنس بلائی۔ جس میں انہوں نے اپنی تنظیم کے نصب العین اور مجوزہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی اس موقع پر اخبار نویسوں کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے تنظیم کے ناظم اعلیٰ شیخ جمل الاسلام نے کشمیر پر ہندوستان کے قبضے کو غاصبانہ اور کشمیر کو غلام قرار دیا۔ اور پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو ایک حق پسندانہ مطالبہ قرار دیا۔ اس کے بعد حکومت اور جمعیت کے درمیان مذاکرات کے تمام دروازے بند ہو گئے ہندوستان کے ذرائع ابلاغ نے اس بیان کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔ جمعیت

طلبہ کو تو خوب پہلی ملی لیکن اس کانفرنس کو ممنوع قرار دینے کے لئے ہندوستان میں زوردار مطالبات کئے گئے۔ آخر کار عید رمضان سے پہلے ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ حکومت کشمیر اس لہر کو روکنے کے لئے اپنی تمام تر قوت عنقریب استعمال میں لانے والی ہے۔ وادی بھر میں پولیس اور مراغرساں ایجنسیوں اور ڈسٹرکٹ میجسٹریٹوں کو چوکس کر دیا گیا اور ان شخصیتوں کی فہرست بھی مرتب کر دی گئی، جن کو عید الفطر کے فوراً بعد گرفتار کرنا مقصود تھا۔ عید الفطر کا دن بے قراری اور غیر یقینیت میں گذر گیا، کیونکہ ۲۶ جولائی کی شب غارت گری کی تلخ یاد ابھی بہر حال تازہ تھی۔ اور پندرہ اگست کو ہندوستان کے یوم آزادی پر کسی قسم کی گڑبڑ کو روکنے کے لئے بارہ مولہ میں دفعہ ۱۴۲ نافذ کر دی گئی۔ سوپور میں بھارت کے خلاف مظاہرے ہوئے اور ہندواڑہ میں ایک ہجوم نے پاکستان کا قومی پرچم لہرایا اور بانڈی پورہ میں یوم آزادی کی تقریب کسی لیڈر صاحب کی تقریر دلہذیر کے بغیر قبل از وقت برخاست کر دی گئی۔

### چھاپے اور گرفتاریاں

حکومت نے اسلامی جمعیت طلبہ کے لیڈروں اور کارکنوں کے علاوہ جموں و کشمیر پیپلز لیگ کو بھی نشانہ بنانے کا فیصلہ کر دیا۔ اس غرض کے لئے پیپلز لیگ کے چیئرمین کی حیثیت سے مجھے سری نگر میں ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو نام نہاد پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ گرفتاریوں کا یہ سائیکلون بڑی تیزی کے ساتھ ۲۳ اگست تک جاری رکھا گیا۔ جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے سینکڑوں وابستگان کے علاوہ پیپلز لیگ کے بہت سارے حامی بھی گرفتار کئے گئے۔ سری نگر، اسلام آباد اور بارہ مولہ میں پیپلز لیگ اور اسلامی جمعیت طلبہ کے صدر اور ذیلی دفاتر پر پولیس نے چھاپے ڈالے۔ ان کے بورڈ اتار دیئے گئے اور دفتری سامان ضبط کیا گیا اور نوجوانوں اور طالب علموں کی مجوزہ عالمی اسلامی کانفرنس خلاف قانون قرار دی گئی۔ اس اعلان کے بعد پولیس اور ایڈمنسٹریشن نے ۲۱ اور ۲۲ اگست کو سری نگر کا محاصرہ کر دیا۔ سری نگر کے اہم مقامات خاص کر لال چوک اور عید گاہ میں پولیس کی کثیر تعداد بچھا دی گئی۔ عید گاہ میں ہی مجوزہ اسلامی کانفرنس کا انعقاد ہونے والا تھا۔ ۲۱ اگست کو سینکڑوں کی تعداد میں لوگ گرفتار کر دیئے گئے اور ۲۲ اگست کو یہ تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ سری نگر کے ارد گرد تمام ناکوں پر پولیس دستے سرگرم ہو گئے جہاں دیہات اور صوبہ جموں سے

آنے والی تمام مسافروں اور دوسری غیر فوجی اور غیر سرکاری گاڑیوں کی تلاشی دن بھر جاری رہی، اور لوگ اندھا دند گرفتار کئے گئے۔ گرفتاریوں کے اس سائیکلون کے ذریعے ساری وادی خوف و دہشت کی لپیٹ میں آ گئی۔ پولیس نے گرفتاریوں کا طوفان بدتمیزی شروع کر کے جن لوگوں کو بسوں پر انیویٹ گاڑیوں، چوراہوں اور سڑکوں سے اٹھا کر تھانوں، نظر بندی کیمپوں اور پوچھ تاچھ مرکزوں میں بھر دیا، ان میں مجوزہ اسلامی کانفرنس کے حامی اور غم گسار ہی نہیں تھے، بلکہ وہ لوگ بھی تھے جن کا سیاسی جھیلوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن ان کا قصور یہ تھا کہ ان کے چہروں پر داڑھیاں تھیں۔ یا وہ نوجوان یا طالب علم تھے۔ جن سے پولیس تھانے بھر گئے۔ جو نوجوان تلاش کے باوجود نہ ملے ان کے بدلے ان کے باپ یا بھائی حراست میں لے کر تعداد پوری کر دی گئی۔ ۲۲ اگست کو لال چوک کا منظر پولیس، خفیہ پولیس اور حکمران نیشنل کانفرنسی کارکنوں اور وظیفہ خواروں کی موجودگی سے بڑا خوفناک بنا ہوا تھا۔ اس دوران اسلامی کانفرنس کے کچھ حامی نوجوان چوک میں نعرے بلند کرتے ہوئے نمودار ہو گئے۔ جن پر پولیس اور نیشنل کانفرنس کے کارکنوں نے بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور انہیں پولیس گاڑیوں میں دھکیل کر لے لیا۔

کشمیر کی اس دہشتناک صورت حال میں حکومت نے وہ سب حربے استعمال میں لائے جن کے ذریعے بیرونی مہمانوں کی آمد رک سکتی تھی۔ یا وہ خود اپنے دورہ کشمیر کا پروگرام منسوخ کر لیتے۔ تاہم کچھ حضرات سری نگر آئے۔ جن کو پولیس نے ہوائی اڈے سے اپنی رہنمائی میں گیٹ ہاؤس میں پہنچا کر دوسرے روز سری نگر سے رخصت کر دیا۔ کیونکہ سری نگر کے ہوائی اڈے پر پولیس اور خفیہ پولیس سرگرم اور چوکس تھی، اور ہوائی جہاز سے اترنے والوں کے پورے حلیے کا جائزہ لے کر ہی ان کو آگے بڑھنے کا موقعہ دیتی تھی۔ ۲۲ اگست کو ہی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ شیخ قجیل الاسلام بھی سری نگر میں نام نہاد پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کئے گئے۔ اس سے پہلے ان کے جنرل سیکرٹری عبد المجید خان گرفتار کر لئے گئے۔ تاہم پولیس پارٹی کے ایک اور سرکردہ رہنما ڈاکٹر محمد ایوب ٹھاکر کو فوری طور پر گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ انہیں اکتوبر ۱۹۸۰ء میں عید الاضحیٰ سے چند یوم پہلے گرفتار کر لیا گیا۔ جماعت اسلامی کے ایم ایل اے سید علی گیلانی اور جنرل سیکرٹری مولانا شیخ محمد سلیمان بھی اپنے بہت سارے حامیوں کے ساتھ گرفتار کئے گئے۔

گرفتار شدگان کی زیادہ تعداد پولیس کے تعذیب خانوں میں رکھی گئی، کچھ قیدی سنٹرل جیل سری نگر میں داخل کئے گئے۔ لیکن حکومت نے اپنی انتظامی پالیسی کی روشنی میں قیدیوں کی اکثریت کو گرمی سے بھلسانے کے لئے صوبہ جموں کے قید خانوں اور تعذیب خانوں میں ٹھونس دیا۔ اس طرح ہم لوگ سنٹرل جیل جموں، سب جیل اودھم پور، سب جیل ریاسی، ڈسٹرکٹ جیل کٹھوعہ اور ہیرانگر نظر بندی کیمپ میں تقسیم کر دیئے گئے۔

### تعذیب خانہ کوٹھی باغ

۱۸ اگست کو گرفتار کرنے کے بعد مجھے سیدھا پولیس تھانہ کوٹھی باغ پہنچایا گیا۔ میرے بریف کیس کو ضبط کرنے کے لئے گرفتار کرنے والی پولیس پارٹی واپس اس دکان پر گئی، جہاں سے مجھے اٹھایا گیا تھا۔ لیکن نوجوان دکان دار نے امین کی حیثیت سے میرا بریف کیس پولیس والوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں پولیس نے بریف کیس چھین کر بے گناہ دکان دار کو بھی حراست میں لیا۔ میں نے جب تھانہ کوٹھی باغ میں بے قصور نوجوان کی حراست پر اعتراض کیا تو وہ اسے وہاں سے نکال کر ایس پی انٹر وکیشن کے پاس لے گئے، اور پیچیدہ اور بے سود سوالات پوچھنے کے بعد اسے رات کے گیارہ بجے چھوڑ دیا، ادھر میرے بریف کیس کی تلاشی لینے کے بعد افسر تلاشی نے میرا ایک قلمی مقالہ، ہائی کورٹ جموں و کشمیر کے ایک فیصلے کی نقل اور تنظیم کے چند رسید بک اور کوپن ضبط کر لئے پہلی دو چیزیں تو پولیس والوں کے لئے بالکل کسی کام کی نہیں تھیں۔ مثلاً ”مقالے کا عنوان تھا ”اسلام کا نظام بینکاری دہائی کی مثال“ مقالہ ماہوار ”البلاغ المبین“ کے لئے بڑی محنت کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ لیکن خفیہ پولیس والوں کی بدحواسی اور ناقابلیت کی وجہ سے یہ بھی مجھ سے چھین لیا گیا، اور انہوں نے میری ایک بھی نہیں سنی۔

شام کے وقت مجھے ایک متعفن، ناپاک، غلیظ اور بدبو دار حوالات میں بند کیا گیا۔ جس کے سلاخی دروازے پر ایک مسخ سپاہی پہرہ دیتا تھا۔ قیدیوں کو پیشاب پھیرنے کے لئے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اس لئے قیدی مشتعل ہو کر مجبوراً ”کھڑے کھڑے کمرے کے ایک دروازے پر پیشاب کرتے تھے۔ جس سے یہ کمرہ سراپا عفونت پھیلا چکا تھا۔ ان قیدیوں میں پیشہ ور اخلاقی مجرم مثلاً ”جیب کترے

اور سارق وغیرہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ شوہاں کے ایک سخت جان عالم مولانا غلام احمد احرار کے فرزند محمد شفیع احرار بھی گرفتار کر کے میرے ساتھ شامل کئے گئے۔ میں نے تھانے والوں کے اس شرمناک برتاؤ کے خلاف بھوک ہڑتال کے ذریعے احتجاج کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ وہاں کے کرتا دھرتا افسروں کو ہمارے کھانے پینے کا کوئی غم نہ تھا۔ کوئی افسر ہماری شکایات سننے کے لئے نہیں آتا تھا۔ رات کے گیارہ بجے پولیس نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ اور ہم دونوں کو اس غلیظ و ناپاک کمرے سے باہر آنے کے لئے کہا گیا۔ کھانا پیش کیا گیا لیکن میں نے زبردست احتجاج کرتے ہوئے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے افسر تھانہ پر واضح کیا کہ اگر کھانا کھانے کے بعد آپ ہمیں دوبارہ اسی (ٹٹی) حوالات میں رات بھر بند رکھنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر یہی ہے کہ ہم فائدہ کشی میں ہی رات گزاریں پہلے تو افسر تھانہ نے جیل سازی سے کام لیا لیکن آخر اسے مجبوراً ”میرا مطالبہ مان لینا پڑا۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں ایک الگ اور صاف کمرے میں رات گزارنے کے لئے داخل کئے گئے۔

۱۹ اگست کی صبح کو سید علی گیلانی، اشرف صحرائی اور ولی محمد عادل اپنے درجن بھر رفقاء کے ساتھ پہنچا دیئے گئے۔ ہم دن بھر اکٹھے رہے اور عادل صاحب کی ہنسی مذاق کا لطف اٹھاتے رہے، رات کو ہی ہمیں پولیس افسروں کے ذریعہ پتہ چلا کہ حکومت نے ہمارے مستقبل کا فیصلہ کر دیا ہے جس کی بنیاد پر کل صبح سویرے صوبہ جموں کے جیل خانوں کے لئے ہمارا سفر شروع ہونے والا ہے۔ صبح سویرے تھانہ کوٹھی باغ کے باہر تین یا چار بسیں کھڑی کر دی گئیں، اور سوا سات بجے گرفتار شدگان اور پولیس سے بھری ہوئی یہ بسیں سری نگر کے ایک ڈی، ایس، پی زمرہ حسین کی معیت میں صوبہ جموں کے مختلف جیل خانوں کے لئے روانہ ہو گئیں۔ قاضی گنڈ سے ذرا آگے مزید اسیروں کو لے کر اسلام آباد سے بھی کچھ بسیں ہمارے ساتھ شامل ہو گئیں۔ اسیروں کا قافلہ عصر کے بعد اودھم پور پہنچ گیا۔ جہاں سب جیل کے عقب میں ایک بازار میں ہماری گاڑیاں کھڑی ہو گئیں اور دو نظر بندوں جمعیت طلبہ کے ڈسٹرکٹ سیکرٹری الطاف احمد شاہ اور اسلام آباد کے غلام محی الدین کو گاڑی سے اتار کر ڈی، ایس، پی اور چند سپاہی سب جیل میں داخل ہو گئے۔ ہم کوئی آدھے گھنٹے تک بسوں میں بیٹھ کر ڈی ایس پی کا انتظار کرتے رہے کہ اسی اثناء میں ایک ناخوشگوار واقعہ



پیش آیا۔ پولیس اور کشمیری اسیروں کو دیکھ کر راہ گیر ہماری بسوں کے ارد گرد بڑی تعداد میں جمع ہو گئے ہماری ایسکورت پارٹی کے ایک غیر مسلم سپاہی نے چپکے سے کسی ایک تماشہ بین کو بتایا کہ یہ کشمیر کے پاکستانی ہیں۔ جنہوں نے ۲۷ جولائی کو سرینگر میں غیر مسلم دکانداروں کی لوٹ مار اور آتش زنی میں حصہ لیا تھا۔ ۲۷ جولائی کے واقعات پر ہندوستان اور جموں کے جانب دار اور معتصب پریس نے پہلے ہی کشمیری مسلمانوں کی ایک ڈرافتی تصویر پیش کی تھی۔ اس لئے اودھم پور کے اس ہجوم نے موقع کو غنیمت خیال کر کے ہم پر خوب صلواتیں بھیجیں، ہمیں جی بھر کے کوسا اور دھمکیاں دیں، اور ہم پر حملہ کرنے کی تیاریاں بھی کی جانے لگیں بسوں میں بند ہم میں سے بعض لوگ فطری طور پر مشتعل ہو گئے کیا خبر کہ صورت حال بے قابو ہو کر کیا گل کھلاتی کہ اسی اثناء میں ڈی ایس بی واپس پہنچ گئے۔ اور ہماری بسیں ہیرانگر اور کٹھوعہ کے لئے چل پڑیں۔ ڈی ایس پی کو یہ سارا ماجرا سنایا گیا، اور سخت الفاظ میں احتجاج کیا گیا۔ نظر بندوں نے انہیں اپنی سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ حیرت و حسرت کی تصویر بن گئے۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے معذرت ندامت اور افسوس کا اظہار کیا۔ بہر حال جموں کی جھلسانے والی گرمی مین اب ہمارا شب کا سفر بھی شروع ہو گیا، اور ہم پسینے میں شرابور ہو گئے یہاں تک کہ ہم ہیرانگر پہنچ گئے، اور ہمارے قافلے کی بھاری اکثریت سب جیل ہیرانگر کے سپرد کی گئی۔ میرے ساتھ دس اسیر ڈسٹرکٹ جیل کٹھوعہ کی طرف موڑے گئے۔ اور رات کے دو بجے ہم جیل کے مہیب پھانک میں داخل کر دیئے گئے۔ جہاں دال سے بھرے پلیٹ اور گندم کی چپاتیاں ہمیں پیش کی گئیں اور آرام کرنے کے لئے ہم بارہ کے بارہ اسیروں کو دو تنگ و تاریک سیلوں میں تقسیم کیا گیا۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک سیل میں صرف دو اسیروں کے رکھنے کی گنجائش تھی۔

### کرمیل جیل

کٹھوعہ کا جیل اصل میں ایک سب جیل تھا جسے اب ڈسٹرکٹ جیل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی ہیئت اور گنجائش بدلی نہیں ہے۔ یہ اس ریاست کی حدود پر واقع آخری جیل ہے۔ اس کے پھانک میں داخل ہونے کے بعد ایک قیدی پر دہشت، تاریکی اور تنہائی کے سائے منزلانے لگتے ہیں۔ اونچی فصیل کے اندر ایک

تنگ و تاریک اور محدود قید خانہ ہے جس کی کل کائنات ایک بارک، دو الگ سلیں، دو یا تین خانوں والی ایک غلیظ لیٹرن، دو بچن اور غسل خانوں کے بغیر فلکوں کے دو پونٹ بارک کے دو حصے ہیں، اس کا عقبی حصہ خواتین ملزموں کے لئے اور فرنٹ مرد ملزموں کے لئے مخصوص ہے۔ فی الحقیقت یہ قتل و ڈکیتی کے بڑے بڑے ملزموں کا قید خانہ ہے۔ جس میں میری موجودگی میں قتل و ڈکیتی کے ۲۰ یا ۲۲ بڑے بڑے ملزم موجود تھے کٹھوعہ کا جیل خانہ سیاسی اسیروں کے لئے ہر لحاظ سے غیر موزوں ہے اور یہاں جان بوجھ کر صوبہ کشمیر سے صرف ان سیاسی نظر بندوں کو بھیجا جاتا ہے جنہیں زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچانا مقصود ہو یہاں کا پانی تیل رنگت اور مضر صحت ہے اس لئے اسے کالا پانی بھی کہتے ہیں۔ کالا پانی، گرمی کی شدت اور چھروں کے پے در پے حملوں نے ہماری راتیں مصیبت میں تبدیل کیں۔ اور ہماری نیندیں اچلت ہو گئیں۔ جس کی وجہ سے میں اپنی سیل میں اڑنے والے نورانی جگنو کی تصویر و دل کشی کا بھی لطف نہ اٹھا سکا۔ جو میرے کمرے میں آندھی میں ریت کے ذروں کی طرح اڑ رہے تھے۔ جلد ہی مجھ پر خونیں پیش زہری کی بیماری اور جسمانی خارش کا سنگین حملہ ہو گیا۔ نہ صرف میرا بلکہ میرے ساتھیوں اور عملہ جیل کا راتوں کا آرام بھی لٹ گیا۔ حتیٰ کہ کئی روز کی ڈاکڑی کو ششوں کے بعد میرے ”زہیر“ پر قابو پالیا گیا۔ یہ صورت حال جاننے کے باوجود سری نگر کے حکام نے اپنی انتہائی خون نہیں بدلی اور ہماری تبدیلی کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ۲۳ ستمبر کو آئی جی جیل خانہ جات مسٹر ڈچن اور سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل جموں مسٹر کوٹوال دورے پر آگئے۔ آئی جی پی نے صورت حال کے پیش نظر ہیرانگر سب جیل کے لئے ہماری تبدیلی کی سفارش کا وعدہ کیا۔

کٹھوعہ جیل میں نظر بندی کے دوران میرے اور میرے اہل خانہ اور خویش واقارب کے درمیان مراسلت کا سلسلہ مکمل طور پر منقطع کیا گیا۔ خالصتاً ذاتی اور گھریلو نوعیت کے ہمارے تمام خطوط راستے میں غائب کئے جاتے رہے۔ کیونکہ یہ خطوط نہ صرف جیل کے ذریعے سنہرے ہوتے، بلکہ خفیہ سراغ رساں ایجنسیاں بھی ہماری مراسلت کو سنہر کرتی ہیں۔ اور روحانی اذیت پہنچانے کے لئے یہ پولیس کا ایک اور رسوا کن حربہ تھا۔ جس کی مثالیں مذہب اور جمہوری حکومتوں میں نہیں بلکہ کیونسٹ، نسل پرست اور فاسسٹ حکومتوں میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ کٹھوعہ کی نظر بندی کے دوران میں نے سب سے پہلے جموں و کشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے نام بھی جیلروں کے ذریعے اپنی

نظر بندی کو چیلنج کرتے ہوئے ایک رٹ پٹشن روانہ کی۔ لیکن اس کا حشر معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ ساری صورتحال مجھے دو ماہ کے بعد عید الاضحیٰ کے موقع پر معلوم ہوئی، جب سنٹرل جیل سری نگر میں میرے رشتہ دار مجھ سے ملاتی ہوئے۔

۹ اکتوبر کو مجھے اپنے چار ساتھیوں سمیت سب جیل ہیرانگر تبدیل کر دیا گیا۔ ان اصحاب کے نام یہ ہیں مختار احمد صوفی، بشیر احمد گنائی، محمد احسن اور غلام نبی۔ ۱۸ اکتوبر کو میرے سوا باقی سب نظر بند رہا کئے گئے۔ اور مجھے اسی روز شام کو ہیرانگر سے سنٹرل جیل جموں پہنچایا گیا۔ جہاں سے رات کے ساڑھے بارہ بجے سنٹرل جیل سری نگر کے لئے ہمارا سفر شروع ہو گیا اور ۱۹ اکتوبر ۴ بجے دن ہم سنٹرل جیل سری نگر میں داخل کئے گئے۔ میرے ساتھ جموں سے شیخ خجل اسلام، مولانا حبیب اللہ، شیخ محمد اشرف، کٹھوعہ جیل سے ظہور احمد شیخ شامل کر دیئے گئے۔ یہاں سے چند ماہ بعد ہم رہا کر دیئے گئے۔

## تحریک شراب بندی

یوں تو غیب پر ایمان رکھنے والے تمام مذاہب اور ان کے بانی خرم کو انسان کی روحانی اخلاقی اور سماجی زندگی کے لئے ستم قاتل جان کر گناہ قرار دے چکے ہیں لیکن پھر بھی ان کے پیروکاروں کی عملی زندگی میں اب شراب فروشی اور شراب نوشی کوئی زیادہ معیوب بات نہیں رہی ہے۔ لیکن اسلام اور اس کے ماننے والوں کی بات ان سب سے مختلف ہے اس لئے کہ حرام و حلال کا جو معیار کلام اللہ نے قائم کیا ہے اس کو یہ کڑوڑوں مسلم عوام اور ان کے تمام فقہاء اور علماء تو کیا خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بھی تبدیل کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس لحاظ سے اسلام مسلمانوں پر یہ فرض عاید کرتا ہے کہ وہ اپنے سماجی اور ملکی حالات کی روشنی میں ایک ایسا قابل عمل نظام قائم کریں۔ جس میں قرآن کے اصول امرونی کا چلن ہو اور اس کے مقرر کردہ قانون حلال و حرام کو توڑنے کی کسی شخص میں خفیہ یا اعلامیہ ہمت پیدا نہ ہو ایک آخری امت کے زندگی بخش پیغام کے حاملین کی حیثیت سے مسلمانوں کی ذمہ داریاں انقلابی نوعیت کی ہیں۔ اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے جہاد ان پر فرض کیا گیا ہے۔ جس کی ضرورت اور فرضیت سے انکار کرنے کے لئے کوئی حیلہ کام نہیں دے سکتا۔

ریاست جموں و کشمیر جس میں مسلمانوں کو بھاری اکثریت حاصل ہے، میں برسوں سے شراب فروشی اور شراب نوشی کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر نظر آتی رہی ہے اور حکومت گلی گلی خوشی خوشی مے خانوں کے لئے لائسنس اجراء کرتی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کشمیر ایک ٹورسٹ اسٹیٹ ہے۔ اس لئے یہاں نشہ بندی لاگو نہیں کی جاسکتی۔ گویا کہ حکومت ایک خود غرض اور بد اخلاق تاجر ہے جسے لوگوں کے سماجی اخلاقی اور مذہبی اعتقادات سے نہیں اپنی دکان داری سے غرض ہے اور وہ اپنی دکان کو زیادہ سے زیادہ جاذب نظر اور مقبول بنانے کے لئے مذہب دشمنی حیا سوزی اور اخلاق شکنی کی سب سے مچلی سطح پر آنے میں فخر محسوس کرتی ہے حکومت کا یہ دعویٰ محض دروغ اور فریب پر مبنی ہے۔ ٹورسٹ اسٹیٹ کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ شراب فروشی کے اڈے قریہ قریہ اور گلی گلی حق بہ جانب قرار دیئے جائیں۔ حق تو یہ ہے کہ

کشمیر آنے والے سیاحوں کے لئے شراب کی بوتلیں حاصل کرنا یا ساتھ رکھنا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ قریہ قریہ شراب کی دکانیں ٹورسٹوں کی خاطر نہیں بلکہ کشمیر کے بچوں اور نوجوانوں کے لئے ہیں جن میں شراب نوشی کی لت پیدا کرنا اور انہیں جہاد زندگانی اور قومی عزائم سے بے زار کرنا حریت فروشوں اسلامی انقلاب کے دشمنوں اور ان کے آقاؤں کا اہم ترین مقصد ہے۔

### اسلام آباد میں شراب مخالف لہر

کشمیر کے نوجوانوں کا حساس اور انقلابی عنصر اس حقیقت کو تیزی کے ساتھ محسوس کر کے شراب اور چرس دونوں برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کا بھرپور عزم رکھتا ہے۔ کیونکہ انسانی جسم و روح عقل و فہم اور ایمان و عمل کے ان دشمنوں نے ہمارے معاشرے پر اپنی یورش تیز کر دی ہے۔ یہی وہ احساس اور جذبہ ہے جس کے سہارے مارچ ۱۹۸۲ء میں اسلام آباد کے ہنگامہ خیز اور تاریخی قصبے سے نشہ بندی کی ایک زور دار عوامی تحریک شروع ہوئی تھی۔ جسے فرقہ وارانہ رنگت دینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ پیپلز لیگ کے چیئرمین کی حیثیت سے میرے پاس اس تحریک سے متعلق کافی معلومات ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ دنیا اس تحریک کی حقیقت اور سچائی سے بے خبر نہ رہے۔ کیونکہ ریاست میں خاص مفادات رکھنے والے عناصر فرقہ پرستوں اور ہندوستان کے ذرائع ابلاغ نے اس آواز کو دبانے اور تحریک کو بدنام کرنے کے لئے طاقت اور پروپیگنڈا ہر طرح کے حربوں سے کام لیا۔

یہ تین مارچ ۱۹۸۲ء کی بات ہے جب میں پیپلز لیگ کا جائزہ لینے کے لئے اسلام آباد کے دورے پر گیا۔ میں نے رات کو یہاں پیپلز لیگ کے کارکنوں اور حامیوں کے ایک اجلاس میں شرکت کی جس میں تنظیم اور تحریک سے متعلق مختلف سوالات پر گفتگو ہوئی۔ اجلاس کے دوران لیگ کے کارکنوں نے باتوں باتوں میں قصبے میں شراب نوشی کی بڑھتی ہوئی بیماری پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور مجھے قصبے میں اس کے مہلک اثرات کی طرف بھی متوجہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ شراب نوشی کی لت بڑھتے بڑھتے چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو پڑ گئی ہے۔ ان کے جذبات سنگین تھے۔ چنانچہ انہوں نے شراب کے خلاف ایک سنجیدہ اور پرامن تحریک شروع کرنے کے لئے اجازت مانگی۔ جس کی اجازت دیتے ہوئے ان کو تاکید کی گئی کہ وہ علاقے میں شراب

کے خلاف اپنی کارروائیاں اخلاق اور شرافت کے آئین کے مطابق کریں مقصد کے حصول کے لئے کام کریں اور بے راہ روی کو اپنے مقصد پر غالب نہ آنے دیں۔ بعد میں اسلام آباد میں پیپلز لیگ کے کارکنوں نے ایک صاف ستھرا اور پرامن پروگرام تشکیل دیا۔ جس کے مطابق ۵ مارچ جمعہ سے قصبے میں پیپلز لیگ کے کارکنوں کی طرف سے شراب کی دکانوں کے سامنے ایک پرامن دھرنا شروع ہو گیا۔ پیپلز لیگ کے ابتدائی پروگرام میں کوئی بھی دوسری سیاسی یا مذہبی تنظیم شامل نہیں تھی۔ نہ کسی دوسری تنظیم سے مشورہ یا گٹھ جوڑ کیا گیا تھا۔

ہمارے کارکنوں نے خالص ایک ناصحانہ اور شریفانہ انداز اختیار کیا۔ انہوں نے احتجاج کے دوران شراب فروشوں پر واضح کیا کہ وہ ان کے خلاف کسی قسم کا تشدد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ شراب کے خلاف ہیں نہ کہ کسی فرقے کے خلاف۔ اسی طرح وہ شراب خریدنے والوں سے بھی شرافت اور اخلاق کے ساتھ اپیلیں کرتے رہے کہ وہ شراب جیسی عصمت و اخلاق دین و ایمان اور عقل و حواس دشمن شے سے مکمل طور پر اپنا تعلق ختم کر دیں بعض گاہکوں سے بوتلیں حاصل کر کے ان کو توڑ ڈالا گیا۔ ۷ مارچ تک افہام و تفہیم کے ساتھ ہمارے کارکنوں کا پرامن دھرنا جاری رہا۔ لیکن ۸ مارچ کو پولیس کے حکام نے دھرنا دینے والے ہمارے حامیوں اور کارکنوں کو ڈرانے دھمکانے اور مشتعل کرنے کی کوششیں کیں۔ پولیس حکام کی روش کے خلاف ہمارے حامیوں نے ایک پرامن مظاہرہ کر لیا۔ لیکن پولیس نے ان پر ڈنڈے برسانے کے علاوہ لگ بھگ بیس اصحاب کو حراست میں لیا۔ تنظیم کے جنرل سیکرٹری شبیر احمد شاہ۔ غلام محمد کٹائی، منظور احمد شیخ مختار احمد صوفی، منذر احمد خان نثار احمد خان مشتاق احمد ملک وغیرہ گرفتار شدہ کارکنوں میں شامل تھے پولیس کے اشتعال انگیز اقدامات نے قصبے میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑا دی حتیٰ کہ دوسرے روز ۹ مارچ منگل وار کو اسلام آباد کے لوگ حکومت اور شراب کے خلاف سڑکوں پر اٹھ آئے اور علاقے کی کاروباری دفتری اور ٹریفک زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ حکومت نے پولیس کی بھاری قوت سے عوام کے پرامن مظاہروں کو ناکام بنانے کی چال کی اور شراب بندی کا مطالبہ کرنے والے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے لاطھی چارج کیا اشک اور گیس کے گولے پھینکے اور ہوائی فائرنگ کی پولیس اور عوام کے درمیان دن بھر جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں طرفین کی بڑی تعداد زخمی ہو گئی۔ زخمی ہونے

والوں میں ضلع کے ایس پی بھی شامل تھے۔ پولیس ڈسپلن شکنی کرتے ہوئے لال چوک اسلام آباد کی مسجد میں بھی داخل ہو گئی اور اس نے اپنی بے لگامی کا ثبوت دیا اسی اشتعال انگیز صورت حال میں بے قابو ہجوم نے شراب کی چار دکانوں پر بلہ بول دیا اور بوتلوں کو توڑ ڈالا۔ یہ ایک بے قابو ماحول تھا جس میں پیپلز لیگ کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ کیونکہ شراب کے خلاف تحریک کا آغاز کرنے والے ہمارے بہت سے کارکن ایک روز پہلے ہی حراست میں لئے جا چکے تھے۔ اور مزید حامیوں کی تلاش تیزی سے جاری تھی تازہ ترین صورت حال کی خبر ملتے ہی میں ۱۰ مارچ کو اسلام آباد چلا گیا جہاں کاروباری زندگی مکمل طور پر معطل تھی اور حکومت کی پر تشدد کارروائیوں اور گرفتاریوں کے خلاف عوامی مظاہرے بھی جاری تھے۔ میں نے فوراً پیپلز لیگ کے حامیوں اور کارکنوں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ جس میں مجھے ایڈمنسٹریشن کے رول قصبہ کی صورت حال اور عوامی رجحانات کے بارے میں جانکاری حاصل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ عوام اپنے مطالبات پر سختی سے قائم ہیں اور قصبہ میں شراب بندی کے نفاذ کی یقین دہانی اور قیدیوں کی رہائی کے بغیر وہ ہڑتال کو واپس لینے اور زندگی کو معمول پر لانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی مقدس تحریک کے دوران خاص طور پر اسلامی ڈسپلن پر عمل کریں اور مفاد پرست اور بے لگام عناصر سے اپنی صفوں کو پاک رکھیں۔ ۱۱ مارچ کو بھی سارے اسلام آباد میں ہمہ گیر ہڑتال تھی۔ اور ساری ریاست کی نظریں اسلام آباد کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس دن قصبہ کے لال چوک میں دوپہر کو ہماری طرف سے ایک زبردست ریلے کا انتظام کیا گیا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں پر جوش عوام نے حصہ لے کر مکمل شراب بندی نظر بندوں کی غیر مشروط رہائی اور ٹکڑ دھکڑ اور خانہ تلاشیوں کا سلسلہ بند کرنے کے مطالبات کئے۔ پیپلز لیگ کی ریلے سے غلام حسن شیخ امیر ضلع جماعت اسلامی، بشیر احمد بٹ جنرل سیکرٹری محاذ آزادی اور ایک امام مسجد غلام الدین نے خطاب کیا۔ آخر پر میں نے بہ حیثیت چیئرمین پیپلز لیگ اپنی تقریر میں اسلام آباد میں شراب بندی تحریک کا پس منظر اور پیش منظر بیان کیا۔ اور ان سب الزامات کی تردید کی۔ جو ہندوستان کے ذرائع ابلاغ نے زہر اگلتے ہوئے ہماری تحریک پر لگائے تھے ہندوستانی ایجنٹوں حکمرانوں اور نام نہاد سکولر اخبارات اور نشر و اشاعت کے اداروں نے ہمیں فرقہ پرست تشدد پسند اور ہندو دشمن قرار دے کر ”کشمیر میں ہندو خطرے میں ہیں“ کا ڈھنڈورا

پٹا تھا۔ اور نشہ بندی تحریک کو ہندو دشمن تحریک کا رنگ دینے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ریاست کے ہندو سرمایہ داروں نے صدر اور وزیر اعظم ہند کے نام اپنی تاروں اور مراسلوں میں حقائق و واقعات کو منہج کر کے پیش کیا تھا اور اسلام آباد میں ہندو دکانوں کی لوٹ کی فرضی اور جھوٹی کہانیاں گھڑ کر اپنی بددیانتی اور دروغ گوئی کا آپ ثبوت دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ تحریک ہندو کے خلاف نہیں تھی بلکہ شراب کے خلاف تھی اور اگر یہ ہندو مخالف تحریک ہوتی تو پھر ہندو دکاندار کیسے بچ نکلتے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ تین شراب فروش دکاندار ہندو تھے۔ اور شراب کی ایک دکان سرکاری تھی۔ اگر شراب فروش دکان دار مسلمان بھی ہوتے تو وہ بھی اسی طرح عوامی غصے اور یلغار کی زد میں آجاتے تین شراب فروش ہندوؤں کی دکانوں کی تباہی پر ہندوستان کے پولیس اور ہندو لیڈر شپ نے آسمان سر پر اٹھا کر رائی کا پہاڑ بنا لیا۔ لیکن جب انہی عوام نے شراب فروشی اور شراب نوشی کے ایک خفیہ گھریلو اڈے کا گھیراؤ کر کے بوتلوں کو ضبط کیا۔ تو ہندو پولیس اس کے تذکرے سے خالی رہا کیونکہ اس طرح تحریک کی غیر فرقہ وارانہ حقیقت عیاں ہو جاتی جس سے فرقہ پرستوں شراب فروشوں اور بے خواروں کے پروپیگنڈے کی اصلیت طشت ازبام ہو جاتی

میں نے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ کو یاد دلایا کہ وہ وزیر اعلیٰ ہی نہیں بلکہ اوقاف اسلامیہ جموں و کشمیر اور آثار شریف حضرت بل کے سربراہ بھی ہیں ایسے وزیر اعلیٰ کے دور اقتدار و اختیار میں بے فروشی اور بے نوشی کی حوصلہ افزائی اور فروغ افسوسناک اور شرمناک ہے۔ اگر وہ اس ام الجہالت کی روک تھام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے سر سے اسلامی اوقاف اور معاہد کی سرپرستی کی دستار نیچے اتاریں اسی جلسے میں ہڑتال کھولنے کے لئے ہم نے اپنی کم سے کم شرائط کا اعلان بھی کیا۔ مثلاً ”نظر بندوں کی رہائی اور اسلام آباد میں مکمل شراب بندی۔“

جلسہ عام کے اختتام کے تھوڑی دیر بعد ڈپٹی کمشنر اسلام آباد کے دفتر میں ڈسٹرکٹ کے اعلیٰ حکام اور ہمارے وفد کے درمیان بات چیت ہوئی۔ جس میں طویل مذاکرات کے بعد ہمارے مطالبات مان لئے گئے۔ پانچ نظر بند فوراً ہی رہا کر دیئے گئے۔ اور پیپلز لیگ کے تمام دوسرے نظر بند ۱۵ مارچ کو رہا کئے گئے۔ مذاکرات کی کامیابی کے بعد ہم نے لال چوک میں ہڑتال کھولنے کا اعلان کیا۔ اس طرح ۱۲ مارچ جمعہ کو اسلام آباد کی کاروباری زندگی معمول پر آگئی۔ لیکن ہندو دکان داروں نے فرقہ

پرستوں اور سرمایہ داروں کے اشارے پر ۹ مارچ کے واقعات پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی دوکانیں بند رکھیں۔ جس سے قصبے میں غم و غصے کی ایک اور لہر دوڑی لیکن پیپلز لیگ نے عوام کو صبر و قرار میں رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ پولیس اور فرقہ پرستوں کو اسلام آباد کی صورتحال سے تسکین نہیں ہوئی تھی اور وہ پیپلز لیگ کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لئے نئے راستے تلاش کر رہے تھے۔ چنانچہ حکام اور اسلام آباد والوں کے درمیان سمجھوتے کی پروا کئے بغیر حکومت نے ۱۸ مارچ کو کیلاش ہوٹل سرینگر سے پیپلز لیگ کے عہدیداروں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔

### باندی پورہ میں پولیس کا حملہ

۱۹ مارچ کو نماز جمعہ کے بعد پیپلز لیگ نے باندی پورہ کے چوک میں ایک جلسہ عام بلایا تاکہ کشمیر کی تازہ ترین صورت حال اور ہندوستان کے فرقہ پرستوں کے اصل عزائم سے عوام کو آگاہ کیا جائے۔ لیکن پولیس نے ہمارے لاؤڈ اسپیکر پر ہلہ بول کر اس کے سارے تاریک ڈالے اور جلسہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ جس سے عوام میں پولیس کے خلاف سخت اشتعال پیدا ہوا۔ عوامی رد عمل کو دیکھ کر پولیس حکام نے ہمارے ساتھ کافی کشمکش کے بعد لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دیدی۔ دارالعلوم دیوبند کے نوجوان طالب علم غلام مصطفیٰ آخون کی تلاوت قرآن پاک اور پرچوش تمہید کے بعد میں نے پیپلز لیگ کی تحریک شراب بندی پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور حکومت سے مانگ کی کہ وہ وادی کشمیر میں اپنی شراب پسند پالیسی کو تبدیل کرے اور تمام درسی کتب سے اسلام پیغمبر اسلام حضرت جبریل اور وحی الہی کے بارے میں خود ساختہ بیانات خارج کر کے ان سوالات پر قرآن و سنت کی طرف رجوع کرے۔ یاد رہے کہ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نئی دہلی نے نڈل کلاس طلبہ کے لئے تاریخ اور دینیات کا جو نصاب تیار کیا ہے اور جس کو ہماری ریاست کے اسکولوں کے لئے منظور کیا گیا ہے، میں اسلام کے اساسی عقائد رسالت محمدیؐ اور پیغمبرؐ کی شخصیت قرآن اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ جس سے اسلام کے بارے میں حکومت کے عزائم مشکوک ہو گئے ہیں۔

### ضلع بارہمولہ میں گرفتاریاں

باندی پورہ کے بعد پیپلز لیگ نے بارہمولہ کے چوک میں ایک جلسہ عام بلانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ پیپلز لیگ کے نصب العین اس کی شروع کردہ تحریک اور ریاست کی صورت حال پر عوام کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے۔ اس کے لئے ۲۶ مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی۔ حکومت پہلے ہی پیپلز لیگ کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں اور مقبولیت سے سخت خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس میں دہلی کے حکمرانوں فرقہ پرست لیڈروں اور اخبار نویسوں کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی کوئی ہمت نہ تھی۔ نیز ان سب عناصر کو پیپلز لیگ کے استحکام اور مقبولیت میں اپنی شکست و ذلت کا سامان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ کیونکہ ان میں ہمارے تصور انقلاب اسلامی کا سامنا کرنے کی کوئی اخلاقی قوت نہ تھی۔ چنانچہ اسی فرسٹیشن کے عالم میں حکومت نے بارہمولہ میں ہمارے خلاف جابرانہ اور عیارانہ ہتھکنڈے استعمال میں لانے کا منصوبہ بنایا تاکہ جلسہ بلانے کی ہماری تمام کوششیں سبوتاژ ہو جائیں۔

حکومت نے بارہمولہ میں خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کی لیکن ہم اپنے عزم پر برابر قائم رہے۔ بارہمولہ میں حکومت کی پوری مشینری پولیس اور انتظامیہ ۲۶ مارچ کو صبح سویرے حرکت میں آگئی۔ بارہمولہ کے چوک میں بازاروں میں اور جامع مسجد جدید کے ارد گرد پولیس کی بھاری نفری پھیلانی گئی۔ ادھر باندی پورہ سے سو پور تک اور سو پور سے بارہمولہ تک پولیس کے بڑے بڑے گشتی سکارڈ اہم مقامات پر مسافر بسوں ٹیکسیوں اور گاڑیوں کی تلاشی پر مامور کئے گئے۔ اسی افراطی کے عالم میں صبح کے ساڑھے دس بجے بارہمولہ جانے کے لئے باندی پورہ سے سو پور پہنچ گیا۔ بارہمولہ میں نماز جمعہ پر جامع مسجد جدید اور بارہمولہ چوک میں میرے خطاب کا پروگرام بن چکا تھا۔ سو پور میں مجھے بارہمولہ کی صورت حال اور پولیس حکام کی انتقامی کارروائیوں کے بارے میں مزید تفصیلات ملیں لیکن میں نے پروگرام کے مطابق ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بارہمولہ کا قصد کیا۔ اسی اثنا میں سو پور کے سب ڈویژنل پولیس آفیسر نے پہنچ کر مجھے اپنے دو ساتھیوں عبد المجید مجاہد ڈسٹرکٹ صدر کپواڑہ اور عبد المجید خان ڈسٹرکٹ سیکرٹری بارہمولہ کے سمیت حراست میں لے کر سنبل کے پولیس تھانے میں قید کر لیا۔ بارہمولہ کی جامع مسجد جدید میں اس گرفتاری کی اطلاع نماز جمعہ کے موقع پر دی گئی۔ جہاں نماز کے بعد پیپلز لیگ کے کارکنوں نے

ایک احتجاجی مظاہرہ کیا لیکن پولیس کی بھاری تعداد نے مظاہرین کے خلاف طاقت استعمال کی اور ہمارے کئی حامی حراست میں لئے گئے جن میں بشیر احمد کنووار شاہ احمد شاہ محمد حسین مظفر احمد شاہ عبدالرشید گنائی اور عبید اللہ گنائی شامل تھے۔ رات سنبل تھانے میں گزارنے کے بعد مجھے اپنے دوسرے ساتھیوں سمیت ۲۷ مارچ کو سنٹرل جیل لے جا کر ۷ اپریل تک بند رکھا گیا۔

## مسجد اقصیٰ کی توہین

### مقام القدس

بیت المقدس، اسلام کی تین مقدس ترین مساجد میں سے ایک ہے جس پر جون ۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل قابض ہو گیا تھا۔ ان تین مساجد میں بیت اللہ (مسجد حرام) بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) اور مسجد نبوی شامل ہیں۔ جو علی الترتیب مکہ معظمہ، یروشلم فلسطین اور مدینہ منورہ میں قائم ہیں۔ بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ اول بھی کہتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ برس تک نماز ادا کی تھی۔ جہاں سے معراج کے نام سے عرش معلیٰ کے لئے آپ کا مشہور کائنات گیر، معجزاتی اور ماوراء عقل اسراء (رات کا سفر) شروع ہوا تھا اور جہاں سیر افلاک شروع ہونے سے قبل انبیائے اکرام نے جمع ہو کر آپ کا استقبال کیا تھا اور سب نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ بقول نبی مدینی نماز بے مثال یاں، وہ کی گئی ہے اک ادا بہ اقتداء مصطفیٰ، حبیب خاص کبریا کھڑے تھے ایک قطار میں ملا کے انبیاء قدم

----- یروشلم، یروشلم!

اس لئے بیت المقدس اور امت اسلامی کا رشتہ ان مٹ ہے اور دنیا کے مسلمان کسی بھی حال میں اپنے قبلہ اول کی توہین اور اس پر غاصب صیہونیوں، انبیاء کرام کے قاتلوں یا غیروں کا قبضہ تسلیم نہیں کریں گے۔

### مسجد عمر میں فائرنگ

۱۱ اپریل ۸۲ء بیت دار کو ایک مسلح یہودی نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسجد عمر میں کود کر نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ کی جس سے دو نمازی شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔ نیز مسجد کو کافی نقصان پہنچا۔ بیت المقدس کے مسلمانوں نے صیہونیوں کے اس ناپاک حملے کے خلاف زبردست مظاہرے کئے جس کے جواب میں اسرائیلی

افواج نے مسلمانوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ مسجد اقصیٰ کی توہین نے سارے عالم اسلام میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی اور مقبوضہ یروشلم اور عالم اسلام میں ایک ہفتے تک احتجاجی ہڑتال کا فیصلہ کیا گیا۔ اسلامی کانفرنس کے چیئرمین کی حیثیت سے سعودی فرمان روا شاہ خالد بن عبدالعزیز نے تمام اسلامی ملکوں سے اپیل کی کہ وہ مسجد عمر میں اندھا دھند یہودی فائرنگ کے خلاف اور فلسطینی عوام کے ساتھ یک جہتی کا مظاہرہ کرنے کے لئے ۱۴ اپریل کو ایک دن کے لئے تمام کاروبار بند کریں۔ اسلامی ممالک نے اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے ۱۴ اپریل کو ایک لاجواب ہڑتال کا مظاہرہ کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ساری ملت اسلامیہ ایک جسد واحد کا نام ہے۔ مسلمانان عالم کے اس لا مثال اور عظیم الشان رد عمل سے اسرائیل کانپ اٹھا۔ یہاں تک کہ وزیر اعظم اسرائیل بیگن چلا اٹھے کہ

”کہاں ہیں ہمارے اتحادی اور حامی، ہمیں تو تنہا چھوڑ دیا گیا۔“

کشمیر کے محکوم و مجبور عوام بھی عالم اسلام کا ایک جز ہیں۔ انہوں نے بارہا آزمائشی موقعوں پر مقالات مقدسہ کے تقدس اور اسلامی قوموں کی مصیبتوں کی خاطر سڑکوں پر نکل کر صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصیٰ کی آتش زنی ہو، نومبر ۱۹۷۹ء میں حرم پاک میں مسلح مداخلت کاری ہو یا دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان میں روسی مداخلت، غرض وہ کون سا ملی سانحہ نہیں تھا۔ جس پر کشمیر کے مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند نہ کی ہو اور وہ اب تک خون کے آنسو نہ رو رہے ہوں۔

سوتے ہوں الگ چاہے مگر ایک ہے سنگھم

اس لئے انہوں نے عالم اسلام کے ساتھ اپنی یک جہتی کا ثبوت دینے کے لئے سری نگر سو پور اور بارہ مولہ وغیرہ میں ۱۴ اپریل کو یوم احتجاج منانے کے لئے تمام کاروبار بند کر کے سڑکوں پر مارچ کیا سری نگر میں عوام اسرائیل کے خلاف مظاہرے کرتے ہوئے لال چوک اور پھر ریگل چوک پہنچے جہاں کوٹھی باغ کے علاقے میں پولیس نے پرامن مظاہرین کو روکنے اور منتشر کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دیں۔ جس سے مظاہرین بھی مشتعل ہو گئے مظاہرین اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے دفتر جا کر انجمن اقوام متحدہ کے نام اپنا پروٹسٹ ریکارڈ کروانا چاہتے تھے۔ جو برسوں سے سری نگر کی ایک روایت رہی ہے۔ پولیس نے ان کی ایک بھی نہ سنی۔ ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے بجائے ان کو اور بھی بھڑکایا، جس کا فائدہ ہجوم میں شامل

مقاد خصوصی والے عناصر نے اٹھایا۔ آخر میں ایک پرامن مظاہرہ پولیس اور مفاد پرستوں کے بھڑکانے سے پر تشدد بن گیا اور چند بیٹکوں کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔ مظاہروں میں پاکستان کے حق میں اور اسرائیل و ہندوستان کے خلاف نعرے بلند کئے گئے۔

پولیس اور مظاہرین کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ چل پڑا، اور پولیس نے اندھا دھند طریقے پر لاشمی چارج کیا، اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ لیکن پولیس افسروں کی پیاس پھر بھی نہ بجھی چنانچہ ایک پولیس افسر نے گولی چلا کر ایک مسلمان نوجوان معراج الدین زرگر کی زندگی کا سانس بند کر دیا۔ اس سانحہ کے دوران متعدد لوگ زخمی ہو گئے۔ بعد ازاں پولیس نے پیپلز لیگ کے بہت سارے ہمدردوں کو گرفتار کر لیا۔ اور شر و دیہات میں نوجوانوں کے تعاقب اور پکڑ دھکڑ کا سلسلہ مزید تیز کر دیا۔

### اسلام آباد میں تشدد

۱۵ اپریل کو سری نگر میں پولیس فائرنگ اور ایک نوجوان کو گولی سے مارنے کے خلاف سو پور، بارہ مولہ، اسلام آباد اور بانڈی پورہ کے علاقوں میں ہمہ گیر ہڑتال ہوئی۔ اور پولیس کی مذمت میں مظاہرے کئے گئے۔ اسلام آباد میں پولیس نے لوگوں کے گھروں میں گھس کر جبر و تشدد کے زیادہ سنگین حربے استعمال کئے بعض گھروں پر چھاپوں کے دوران پولیس قیمتی اشیاء کو اٹھا کر لے گئی اور زید کے بدلے بکر کو حراست میں لینے کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا۔ بوڑھوں، بچوں، اپاہجوں کی مار پیٹ اور عورتوں کی بے عزتی، مکانوں کا پتھراؤ، ان کے شیشوں اور دروازوں کی پتھروں اور ڈنڈوں سے توڑ پھوڑ وغیرہ ایک ایسا گھناؤنا رول ہے جس سے اسلام آباد میں پولیس حکام کی بد حواسی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پیپلز لیگ کے حامیوں اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ اور بھی وسیع کر دیا گیا اور ان پر تھانوں میں ستم ڈھائے گئے۔

پولیس کی ان تشددانہ کاروائیوں سے اسلام آباد میں پولیس کے خلاف نفرت اور غصے کی لہر اور زیادہ تیز ہو گئی۔ اور لوگ حکومت کے خلاف سڑکوں پر نکل کر سراپا احتجاج بن گئے اور ضلع کے نئے ایس پی امان اللہ خان کی فوری تبدیلی کا زوردار مطالبہ کیا گیا۔ اسلام آباد کی ہڑتال نہایت زور و شور سے پانچ روز تک جاری رہی۔

آخر کار حکومت کی اس یقین دہانی کے ساتھ کہ لوگوں کی شکایات کی تحقیقات کر کے ان کا ازالہ کیا جائے گا۔ اسلام آباد میں دوبارہ کاروبار کھل گیا۔ لیکن ابھی تک لوگوں کے زخم برابر برے تھے۔

### باندی پورہ میں ہڑ بازی

سری نگر میں ۱۳ اپریل کے الناک واقعات کے خلاف باندی پورہ میں پیپلز لیگ کے کارکنوں نے ہڑتال کی منادی کرائی۔ جس کے نتیجے میں علاقہ بھر میں مکمل ہڑتال ہوئی اور لوگ احتجاجی مظاہروں میں شریک ہونے کے لئے باندی پورہ کے چوک کی طرف مارچ کرنے لگے۔ پیپلز لیگ کی منادی سے حکمران نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کے مقامی عہدیدار بدحواس ہو گئے، دونوں جماعتوں نے محسوس کر لیا تھا کہ پیپلز لیگ کی تحریک شراب بندی کے بعد ان کے پاؤں کے نیچے زمین سرک رہی ہے۔ کھرے سونے کی دریافت کے بعد کھوٹے سکوں کا مستقبل تاریک ہونے لگا ہے، اور حریت و انقلاب اسلامی کے بے میل تصورات کے اجالے کے بعد مصنوعی اور نقلی اسلامیت کے تمام چروں کا غازہ اترنے والا ہے اسی عالم مایوسی میں دونوں تنظیموں کے مقامی لیڈر اور وظیفہ خور ہمارے خلاف حرکت میں آ گئے کیونکہ۔

چرے ہیں مختلف مگر کردار ایک ہے

ان کے ”سورماؤں“ اور کارکنوں نے جن میں سے کئی لاکھوں سے لیس تھے باندی پورہ کے چوک میں ہم پر حملہ کیا اور مسئلہ فلسطین و اقصیٰ پر ہمارے جلسے کو سبوتاژ کیا۔ مقامی ایڈمنسٹریشن اور پولیس کے حکام نے حملہ آور نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کے بلوائیوں کو روکنے اور حراست میں لینے کے بجائے ہمیں جلسہ کرنے سے روکا۔ ایڈمنسٹریشن کے ذمہ داروں اور نیشنل کانفرنس کے بلوائیوں نے میرے ہاتھ سے مائیک چھیننے کی کوشش کی جو ناکام بنا دی گئی ہمارے ہاتھوں میں کوئی پارٹی پرچم نہیں تھا، نہ کوئی پارٹی سلوگن ہمارے جلسے میں بلند ہو رہا تھا۔ ہم تو یہی فرض کر چکے تھے کہ کسی تنظیمی امتیاز کے بغیر یہ عام مسلمانوں کا ایک جلسہ عام ہو گا۔ جس میں جتنی پارٹیوں کے لیڈر چاہیں بولیں گے۔ اور سانحہ اقصیٰ اور فلسطین کی صورت حال کی طرف عوام کی توجہ موڑیں گے۔ لیکن ہم یہ مشاہدہ کر کے حیران ہو گئے کہ ہمارے مقابلے میں نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کی باہمی رقابت ختم ہو گئی ہے اور دونوں

کے بلوائی ایک ساتھ ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے قدم بڑھا رہے ہیں۔ کسی نیک مقصد کی خاطر اور نہ سانحہ اقصیٰ پر احتجاج کرنے کے لئے۔ سیدھے سادے اور پر خلوص لوگ جو مسئلہ اقصیٰ پر اس جلسے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بیت المقدس کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے خواہاں تھے، اور سری نگر فائرنگ میں ایک بے گناہ، مسلمان نوجوان کی موت کے غم میں مبتلا تھے نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کے بلوائیوں کی ہڑتال دیکھ کر حیران و بد دل ہو گئے۔ اس لئے کہ ایک مخالف تنظیم بھی اپنے حقیر مقاصد کی خاطر حکمران نیشنل کانفرنس سے گٹھ جوڑ کر کے جمہوریت اور انصاف کی مقدس اقدار کو پامال کر رہی تھی اور حکمران تنظیم کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر ایک مقدس عوامی محفل کو ہڑتال میں تبدیل کر کے فسطائیت کی آبیاری کر رہی تھی۔

اس ہڑتال میں پہلے ہمارے ایک عزیز طالب علم نے مائیک ہاتھ میں لے کر چند افتتاحی جملے ادا کئے اور ان کے بعد میں نے شور و ہنگامہ برپا کرنے والے بلوائیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ کسی خاص سیاسی تنظیم کا جلسہ نہیں ہے۔ مسئلہ اقصیٰ اور سانحہ اقصیٰ پر اظہار حقیقت اس کا مقصد ہے۔ یہ کسی پارٹی کے خلاف بھی نہیں ہے اور نہ ہم نے ابھی تک کسی ایک پارٹی یا پارٹیوں کے خلاف لب کشائی کی ہے اس لئے ہم حیران ہیں کہ اس جلسے کو ناکام بنانے والے کیا اغراض حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن بلوائیوں نے ایک بھی نہ سنی اور انہوں نے اپنا شور و ہنگامہ برابر جاری رکھا۔ مشترکہ جلسے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ وہ پہلے جلسہ کرنا چاہتے ہیں، بعد میں آپ اس کے برخلاف جب حکام نے موقع پر ہی چوک میں جلسے پر ایک غیر قانونی پابندی عاید کرنے کا اعلان کیا تو نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس والوں نے زور زور سے خوشی کی تالیاں بجاائیں۔

حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان خافہی

انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگ آستانہ

اس واقعے سے باندی پورہ کے ہوشیاروں اور ہمارے ہمدردوں کو معلوم ہوا کہ تحریک حریت اور تصور انقلاب اسلامی کے دشمن کن کن گوشوں اور کمین گاہوں میں کیسی کیسی قبائیں اور کلاہیں پن کر اور کتنے رنگین چرے آراستہ کر کے ہم پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔



## تحریک آزادی میں جمود کیوں؟

۱۹۳۱ء میں ہماری ریاست جموں و کشمیر میں سیاسی بیداری کی ایک تحریک شروع کی گئی، جو مختلف مرحلوں اور شکلوں سے گزرتی ہوئی اپنی اصل سے دور ہوتی گئی۔ یہ حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اگر ایک طرف سے وقت گزرنے اور بیسویں صدی کی دوڑ کے ساتھ ساتھ دنیا کو عام طور پر اور غلام اقوام کو خاص طور پر آزادی کے نظریے کی واضح پہچان ہوتی گئی، اور آزادی اور غلامی کے فرق کے بارے میں ان کا شعور اور زیادہ بالغ اور آزادی پر ایمان اور زیادہ محکم ہو گیا۔ یہاں کشمیر میں الٹی گنگا بننے لگی یہاں تک کہ آزادی پر رہا سہا ایمان بھی متزلزل ہو گیا۔ غلامی کی غذائیں لذیذ محسوس ہو گئیں۔ شعور اور فکر کی اڑان رک گئی۔ ہم تاویل بازیوں میں پھنس گئے اور اس تحریک کا چہرہ مخ کر دیا گیا جس کی بنیاد اور طاقت کا راز لہو کی رنگینی جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت حق میں پوشیدہ تھا۔

اس طویل مدت کے دوران دنیا کی کئی غلام قومیں آزاد ہو چکی ہیں اور اپنی قسمت بنانے، سنوارنے اور اپنی ضروریات اور اقدار حیات کے مطابق ایک منصفانہ معاشی و جمہوری نظام حکومت اور ایک ترقی پسندانہ سماجی نظام کے قیام کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بلکہ براعظم افریقہ کے تاریک اور بعید گوشوں پر بھی آزادی اور خود اختیاری کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ کشمیر کے عوام اپنے سفر میں کھو گئے ہیں۔ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے غلامی کی طرف لوٹ آئے ہیں اور اس بات سے بالکل ہی بے فکر نظر آ رہے ہیں کہ وہ بھی اپنی آنے والی نسلوں کے لئے آزادی کی میراث چھوڑ کر اپنے مولا کے حضور جاتے۔

تھا جو ناخوب بدترج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا مسافر اپنی اصل راہ یعنی راہ آزادی سے بھٹک گیا ہے اور اگر موجودہ صورت حال کو بدلانے اور عوام کو اپنے حقیقی مشن کی طرف لوٹانے کے لئے منظم جدوجہد کو نہ پھیلایا گیا تو یقینی خطرہ ہے کہ ہماری آنے والی نسلوں کو پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔ ہم اپنی دینی و ملی اقدار کے ساتھ غیریت کا سلوک کریں گے اور ہمارے اوپر ایک ایسا سیاسی نظام مستحکم ہو جائے گا جس کی موجودگی میں

اسلام کے ترقی پسند اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، تعلیمی، تمدنی اور ثقافتی نظریات کے باقی رہنے اور پنپنے کے امکانات تاریک ہو جائیں گے۔

اس لئے ہمارے ملک کے ہوشمند لوگوں کو کشمیر کے حال و مستقبل پر سنجیدگی سے سوچ کر آزادی کی جدوجہد کے لئے اپنے اندر حوصلہ اور ولولہ پیدا کر لینا چاہئے لیکن ساتھ ساتھ ہمیں ان اسباب کا جائزہ بھی لینا ہو گا جو ہماری نئی غلامی کا باعث بن گئے تھے۔ میرے خیال میں ہم اس سوال پر غور و فکر کرنے اور اس کا تاریخی و نفسیاتی تجزیہ کرنے کے بعد اپنی غلامی اور جہالت کے مندرجہ ذیل اسباب تلاش کر سکتے ہیں۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے سانحہ کشمیر کے بعد جموں و کشمیر کے عوام کو ڈوگرہ مہاراجوں کی ظالمانہ، موروثی اور مطلق العنان حکومت سے نجات دلانے کے لئے جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی شکل میں ایک طاقتور قومی تحریک نصیب ہو گئی۔ اور مسلمانان ریاست جسم واحد بن کر ظلم و استبداد کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ بد قسمتی سے صرف چند برس کے اندر اندر مسلم کانفرنس کے اتحاد کا پہاڑ ٹوٹ گیا اور یہ بد ترین تفرقہ و انتشار کی شکار ہو گئی۔ جون ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو بدل کر نیشنل کانفرنس بنا دیا گیا۔ پہلے مسلم کانفرنس کی تفرقہ بازی اور پھر نیشنل کانفرنس کے قیام نے کشمیری مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ان دونوں گروپوں کی محاذ آرائی سے کشمیر کی سیاست کے ایک ناتمام اور افسوسناک باب کا آغاز ہو گیا لیکن دوسری طرف سے وادی کشمیر میں مسلم کانفرنس کے حامی ایک حرکت پذیر لیڈر شپ پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وادی میں مسلم کانفرنس کو اپنی آزمائش و بحران کے دور میں اپنے نظریات کی ترجمانی کرنے کے لئے جس پائے اور فراست کے قائد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی وہ اسے میسر نہ ہوا۔ اور جموں میں مسلم کانفرنس کی قوت و شوکت، کشمیر میں پیدا ہوئے خلاء کو پر نہیں کر سکتی تھی۔

مسلم کانفرنس کا اندرونی انتشار اور نیشنل کانفرنس میں اس کی تبدیلی کچھ ایسے واقعات ہیں جو اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ اس دور میں کشمیر کی مسلم قیادت کو عالم گیر اتحاد اسلامی اور اخوت اسلامی کا کوئی واضح تعارف تھا اور نہ اس نے قومیت اور سیاست کے اسلامی نظریات کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ عبرت ناک نا انصافیوں اور حادثوں کا دور تھا۔ جس میں کسی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان کا کوئی بھی مستقبل نہ تھا۔ لیکن یہ قیادت دنیا کے آخری اور زندگی کے ہمہ گیر اور طاقت ور

نظریے کے مطالعے سے نامی تھی۔ اس لئے جب پنجاب اور بنگال سے اسلامی نیشنل ازم کی آواز بلند ہوئی تو اس کی سمجھ میں یہ معاملہ نہ آیا۔ اس نے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کی بس اس آواز سے اپنے اور لوگوں کے کان بچانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد کشمیر کو جو المیہ پیش آیا اور جس سے وہ ابھی تک چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا ہے۔ وہ اسلامی بھائی چارے اور اسلامی انقلاب کی اس آواز سے اپنے کان بند رکھنے کا نتیجہ تھا۔ پھر بھی مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرتے وقت اس لیڈر شپ نے وعدہ کیا تھا کہ نیشنل کانفرنس ہندوستان کی انڈین نیشنل کانگریس اور انڈین مسلم لیگ کی سیاسیات میں مکمل طور پر غیر جانبدار رہے گی۔ اگر نیشنل کانفرنس اور اس کی قیادت اپنے اس عہد کا پاس کرتی تو کشمیر کے عوام غلط سیاسی فیصلوں کا شکار نہ ہوتے لیکن نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے ایک غلط فیصلہ لینے کے بعد اور بھی کئی غلط فیصلوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۴۷ء میں کشمیر کی فوجی تقسیم واقع ہو گئی۔ اس طرح یہاں نیشنل کانفرنس نے اور آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس نے اقتدار سنبھال لیا۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کی خونریز جنگ میں اور اس کے بعد جموں و کشمیر کے بہت سارے مسلمان، سیاسی لیڈر اور سیاسی کارکن اپنا اپنا گھربار چھوڑنے پر مجبور کئے گئے، وہ آزاد کشمیر اور پاکستان کی طرف دھکیل دیے گئے جس سے وادی اور جموں کے علاقے حریت پسندوں کی رہبری سے محروم ہو گئے۔ اور پانچ برس تک کشمیر پر جمود اور خوف کی کیفیت طاری رہی۔ ۱۹۴۷ء کے المیے نے کشمیر کے اس حصے کو بہت سارے ہونہار اور زرخیز دماغ سیاسی کارکنوں سے محروم کر دیا اور ایک عرصے تک یہ سرزمین حق خود ارادیت نواز لوگوں کے لئے بالکل ہی تنگ ہو گئی۔ چھ برس گزر جانے کے بعد ۵۳ء سے وادی کشمیر میں آزادی اور حق خود ارادیت کے سوال کا پھر سے غلغلہ مچا اور وہ بھی ان ہی نیشنلسٹوں کے ذریعے جنہوں نے ۴۷ء میں اس کو سیواؤ کر لیا تھا۔ کشمیری عوام نے ان حضرات سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر دیں لیکن آخر وہی کچھ ہوا جس کا خطرہ ان لیڈروں سے ہو سکتا تھا۔ انہوں نے کافی طمطراق سے ۱۹۴۷ء میں ایک اور دہلی اکاؤنڈ کر لیا اور بیس برس کی خونریزیوں کے بعد آزادی کی تحریک کو بے اثر کر دیا گیا، جو اس سے پہلے اس کے ساتھ ان ہی لوگوں نے ۴۷ء میں کیا تھا۔

پھر حسن کے جلوؤں نے بنایا مجھے بے خود  
ہشیار ہوا تھا جس دل کی صدا سے

### آزاد کشمیر کا رول

۱۹۴۷-۴۸ء میں جنگ کشمیر کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے نقشے میں آزاد کشمیر اس تاثر کے ساتھ وجود میں آگیا کہ وہ کشمیر کی تحریک آزادی کے لئے ایک اہم بنیادی کیمپ اور محفوظ قلعہ بن کر اپنا کردار ادا کرے گا اور جموں و کشمیر کے مہاجرین اور علاقے کے عوام کو ساری ریاست کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کے خوب مواقع میسر آئیں گے لیکن دھیرے دھیرے وہ علاقہ بھی اپنی علاقائی اور گروہی سیاسیات کے زلفوں کے پیچ و خم میں اسیر ہو گیا اور قافلہ آزادی کی شیرازہ بندی کے مقدس فرض کو بھول گیا۔ اسی طرح پاکستان کی وزارت امور کشمیر نے گذشتہ ۳۵ برسوں میں آزاد کشمیر میں سیاست کاری اور حکمرانی کا جو اسلوب اپنایا۔ وہ بھی کچھ حوصلہ افزا نہ تھا۔

اگر پاکستان کی خواہش ہے کہ کشمیر کے سوال کا ایک آبرو مندانہ منصفانہ اور جمہوری حل نکل آئے تو اسے آزاد کشمیر کے مضبوط دفاع کے ساتھ ساتھ اس کے اصل مقام کی طرف بھی توجہ دینی ہو گی۔ پاکستان کو آزاد کشمیر میں رہتے ہوئے ہندوستان کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہئے۔ ہندوستان کشمیر میں رہ کر انصاف کے مسئلہ بین الاقوامی اصولوں اور کشمیر سے متعلق انجمن اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی روح کو پامال کر رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کو چاہئے کہ وہ آزاد کشمیر میں رہتے ہوئے حق اور انصاف کی راہ کا ہر قیمت پر بول بالا کرے تاکہ آخر کار ریاست جموں و کشمیر کا مسئلہ حریت ریاستی عوام کی خواہشات کے مطابق ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے۔

خود پاکستان اور آزاد کشمیر میں پھیلے ہوئے کشمیری باشندوں کو بھی چاہئے کہ وہ موجودہ عافیت کیشی کو چھوڑ کر عوامی سطح پر اپنے وطن کے نصب العین کے لئے منظم ہوں اور اپنے ان لاکھوں بھائیوں پر یاس و نو میدی طاری نہ کریں جو یہاں ابتلاء و آزمائش کی گھاٹیوں سے گزر رہے ہیں۔

### خصیت پرستی

کشمیر کی آزادی اور حق خود ارادیت کا سوال لٹکا کر رکھنے کی ذمہ داری خود ہم